چراغِ فکر

شیخ محسن

مکتبہ قصرِ اُردو دہلی ۶

ترتیب

انتساب

میں اس مجموعۂ اشعار کو

دیا

کے نام معنون کرتا ہوں

جس سے میں نے علم بھی پایا

اور پیار بھی

پیش لفظ

فنونِ لطیفہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی سعادت کسے نصیب ہوتی ہے سب لوگ فن کے ابتدائی مراحل عبور کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ اس فرضِ عظیم سے سبکدوش ہو گئے۔ ان ابتدائی مراحل سے میں بھی گذرا ہوں اور انہی مراحل سے گذر کر میں نے محسوس کیا ہے کہ فنکار ہونا اس ذمہ دارانہ وقار کا نام ہے کہ اگر چوک ہو جائے تو عمر بھر کا الزام بن جائے۔ اپنی تخلیقات کو منظرِ عام پر لاتے وقت باقی لوگوں میں جو امنگ اور خوشی ہوتی ہے اس احساس سے میں اپنے آپ کو اس وقت قطعاً محروم پا رہا ہوں بلکہ مجھے ایک انجانا سا دُکھ محسوس ہو رہا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک یہی وہ منزل ہے جب فن کار اپنی سب سے بڑی قربانی دیتا ہے یعنی اپنے آپ کو پُر اشتیاق اجنبی نگاہوں کے سامنے عیاں کر دیتا ہے۔

اپنے اپنے طریقے سے ہر شاعر کے ذہن میں اچھے اور بُرے شعر کا تصوّر ہوتا ہے اور رہی اپنے کلام کی اچھائیوں یا بُرائیوں سے آگاہ ہونے کی بات تو میں اس سلسلے میں اتنا ہی عرض کروں گا کہ یوں تو یہ بالغ نظری کسی کسی ہی کو نصیب ہوتی ہے پھر بھی ہر شاعر اپنے انداز میں کچھ نہ کچھ پرکھ رکھتا ہی ہے کسی بھی شاعر کے کلام کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے کس کسوٹی پہ پرکھا جاتا ہے یہ معیار ہر جگہ ذاتی ہوتا ہے۔

لوگوں کے کلام اور اُن کی نظرِ انتخاب کو پرکھنے کا میرا بھی ایک ذاتی معیار رہا ہے آج جبکہ میں اپنے آپ کو چھان بین کرنے والی بے شمار نگاہوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں تو یہ بات نامناسب نہ ہوگی کہ میں اپنے جس نظر سے لوگوں کے کلام کو ... ہے

نظر کو دوسروں پر واضح کر دوں۔ میں نے ہر ایک شاعر کے کلام کو اس نقطۂ نگاہ سے
ہے کہ اُس نے اپنے کس جذبے کو کیا الفاظ دیئے ہیں اور ان الفاظ کی آواز کیا ہے۔ آواز
یہی مُراد نہیں کہ شاعر نے کیا کہا ہے بلکہ یہ بھی کہ اُس نے کیا کہنا چاہا ہے اور وہ کیا کہنے
میاب ہوا ہے۔ الفاظ سے کیا مفہوم ذہن نشین ہوتا ہے۔ اس کے بعد کہیں میری نظر
اور آرٹسٹ کے اُس اہم ترین اور ناگزیر پہلو پہ اُٹھتی ہے کہ اُس آواز کے
ون انسان بول رہا ہے وہ آواز اگر ڈینل سے مختلف ہے تو کیوں ہے

ہر شاعر کی اپنی آواز ہوتی ہے۔ اس کے اپنے تجربات، مشاہدات اور تجربات
ہیں اور وہ اُنہیں اپنا انداز بیان دینے کی کوشش کرتا ہے ورنہ کہنے کو ایسی کونسی بات
ہا ہے جو کسی نہ کسی شاعر نے کہہ نہ دی ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شاعر صاحب
با ہرگز نہیں اور خاصکر ہمارے ادب میں لفظ "اسلوب" سے جو لطیف مفہوم ذہن نشین ہوتا
اعتبار سے اُردو ادب میں صاحب اسلوب شاعر ہیں ہی کتنے۔ یہاں میں ایک بات اور
کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ جب ہم کسی کو شاعر کہیں اور صاحب اسلوب کہیں تو ہماری
میں کوئی ٹھوس معیار ہونا چاہیئے مثلاً میر اور فراق۔

ہاں تو بات لب ولہجے اور آواز کی تھی۔ میں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس
سے میرا ابھی ایک لب ولہجہ ہے۔ یہ لب ولہجہ نیا ہے یا بیگانہ، لطیف ہے یا اُکھڑا اُکھڑا اس
مجھے صرف یہی عرض کرنا ہے ع انساں کے بدلتے ہی اس کی آواز بدلنے لگتی ہے
نیز کسی شاعر کے انداز بیان اور انداز فکر کا انحصار تین باتوں پر ہوتا ہے۔ پہلی تو یہ
نسان کتنا بڑا ہے دوسری یہ کہ اس کی فکری صلاحیتوں پر غم اور خوشی کا کس حد تک
ور تیسری یہ کہ اس کا مطالعہ کس قدر وسیع ہے۔ جہاں تک پہلی شرط کا تعلق ہے تو ع

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔ رہا مطالعے کا سوال تو یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ سنجیدہ نوعیت کے ادبی مشاغل اور مطالعے کے لئے ایک خاص انداز کی LUXURY ، ذہنی سکون اور تنظیم فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ رہی بات غم اور خوشی کی تو غم اور خوشی آفاقی احساسات ضرور ہیں لیکن انھیں محسوس اور بیان کرنے کی توفیق صریحاً ذاتی ہوتی ہے اور اگر سچ پوچھئے تو مشاہدے کی بات یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ جتنے غم میں نے دیکھے ہیں اتنے شاید ہی کسی نے دیکھے ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جتنی مصیبتیں مجھ پر ٹوٹ پڑیں وہ میری قوتِ برداشت اور میری بساط سے باہر کی تھیں اور میں اُن کا سامنا کرتے ہوئے بُری طرح ٹوٹا ہوں۔ میں نے اپنی شاعری میں انھی کیفیات ۔ انھی جان لیوا احساسات کا عکس پیش کیا ہے جن سے میری زندگی عبارت ہے اور جونہی کسی آواز میں ذاتی غم اور ذاتی احساسات جھلکنے لگتے ہیں وہیں وہ آواز باقی سب آوازوں سے بدلی بدلی نظر آتی ہے۔

گذشتہ نصف صدی سے ہمارے دل و دماغ میں فن کار کا کچھ عجیب وغریب تصوّر ہے۔ کوئی فن سے جذباتی تسکین ڈھونڈتا ہے تو کوئی فلسفہ، کوئی سماجی شعور تو کوئی نظریۂ حیات کوئی اپنے زاویے سے آفاقی قدریں ڈھونڈ رہا ہے تو کوئی اخلاقی اور ہنگامی اور ان باتوں کے ہونے یا نہ ہونے پر فن کار اور اس کے فن پر فتویٰ صادر فرما دیا جاتا ہے۔ میں یہ بات صاف لفظوں میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ فن میں ان باتوں کی تلاش محض ہماری اپنی دلجوئی کی تلاش ہے ورنہ فن کار یا فن کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اِن باتوں کے لئے فن کار یا اس کا فن ہمارے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ فن کار کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ فن کار اپنے ذوقِ سلیم کا آسرا لے کر اچھے سے اچھا ادب پیش کرنے کی کوشش کرتا رہے اور بس۔ یہاں میں اچھے ادب، بڑے ادیب اور ادبِ عالیہ کے بارے میں مختصراً عرض

کروں گا۔ اچھا ادب ہم اُسے کہیں گے۔ جو فنی اعتبار اور تکنیک کے لحاظ سے کامل ہو اور جو کچھ کہا گیا ہو اس میں تاثیر اور خوبی ہو اور اگر یہ سب کچھ ہونے کے ساتھ ساتھ فن میں فن کار کی ذات بھی جھلک آئے تو اس سے وہ فن کار عظیم ہو جاتا ہے۔ یہاں اس امر کا ذکر لازم ہے کہ فن میں فن کار کی ذات جھلکنے سے کیا مُراد لی جاتی ہے یعنی اگر فن کار کا فن محض اُس کی ذات تک محدود ہو کے رہ جائے تو کیا ہم اُسے اچھا ادب یا بڑا ادیب کہیں گے؟ غالباً نہیں کہیں گے لیکن یہ کسوٹی بھی تو کسی کے پاس نہیں ہے کہ آیا کسی کا فن صرف اُسی کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے یا اُس کی ذات نے اس کے فن کو آفاقیت عطا کردی ہے۔ کیونکہ ذات ہی سے آفاقیت نکلتی ہے اور ذات ہی میں گم ہو کے رہ جاتی ہے۔ فن میں یہ دو عالم جس قدر مختلف اور علیحدہ ہیں اُتنے ہی ایک دوسرے سے گڈمڈ بھی ہیں۔ ایک بات تو طے شدہ ہے کہ فن میں فنکار کی ذات جھلکنے سے نہ تو فن کار چھوٹا ہو جاتا ہے نہ اُس کی ذات۔ مفکر تھامس مان اس سلسلے میں کیا پتے کی بات کہہ گئے ہیں۔

ONE CANNOT MAKE ONE SELF SMALLER THAN ONE IS, AND ART IS TRUTH — THE TRUTH ABOUT THE ARTIST.

اب رہا سوال کہ ہم ادبِ عالیہ یا بڑا ادب کسے کہیں گے تو میں اس سلسلے میں اپنے عالم و فاضل یونس ہر نبس ماتھر کا قول دہرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہوں گا۔ اس شخص نے باتوں باتوں میں اس مسئلہ کو یوں حل کردیا

WHAT'S GREAT ART, IT'S A VERY GREAT "BEING" CAUGHT IN A VERY GREAT MOMENT.

مجھے زندگی بھر ایک شدید اجنبیت کا احساس رہا ہے ۔ کچھ ایسا احساس جو خود مجھ
اپنے پورے روپ میں نہ کھل سکا کہ اجنبی کون ہے' میں یا دنیا ۔ میں نے اس احساس کو
گی' تنہائی' غمِ رفاقت اور نہ جانے کیا کیا نام دیئے ہیں لیکن وہ احساس میرے لئے
معمہ بنا رہا اور ہے ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب مجھے تعلق کی سوجھ بوجھ نہ تھی تب تو میری
ی میں کئی تعلقات قائم ہوئے اور ٹوٹ گئے' لیکن جب سے مجھے اس کا احساس ہوا
ہ تعلق کہتے کس کو ہیں اسے برقرار کیسے رکھا جاتا ہے ۔ وہ ٹوٹ کیوں جاتا ہے ۔ تب سے میری
سونی پڑی ہے اور اس سونے پن نے میرے مزاج' میری زندگی اور میری فکر پر کچھ کم اثر
ڈالا ۔ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہونے لگا گویا ہر شخص نے مجھے
زندگی سے باہر دھکیلا ہے اور یہ احساس اتنی شدت اختیار کر گیا کہ رفتہ رفتہ میں اپنی
میں بھیانک خلاء محسوس کرنے لگا ۔ اس خلاء کا احساس میری رباعیات' میری نظموں اور
ے اشعار میں بہت زیادہ نمایاں ہے ۔ میں خلاؤں میں جیتے جیتے ایک ایسی حد پر آ گیا کہ مجھے چپ
ئی ۔ یاد رکھئے کہ بھرپور خوشی کو بیان کرنے کے لئے آپ کو الفاظ نہیں ڈھونڈنے پڑتے ۔ آپ
شدت میں عجیب برجستگی سے سب کچھ کہہ جاتے ہیں ۔ لیکن عالمِ غم کو بیان کرنے کے لئے لفظ
ٹوٹ کر زبان سے نکلتے ہیں ۔ اپنی صحیح کیفیت بیان کرنے کے لئے آدمی چپ ہو جانے
ا اور کچھ نہیں کر سکتا ۔ خلا اور خاموشی کے اس عالم میں مجھے یوں جان پڑا جیسے میں ایک
وسیع دائرے کے باہر کھڑا ہوں ایسا دائرہ جس کے ایک قدم اُدھر موت تھی اور
قدم اِدھر بھرپور زندگی' جس کے دروازے مجھ پر بند تھے ۔ میں نے اس لمحہ اس قدر
، بیگانگی اور اجنبیت محسوس کی تھی کہ موت میرے لئے اجنبی نہ رہی ۔ میری تین نظمیں
ں "   " دھند " اور " موت کی آواز " اسی عالم کی آئینہ دار ہیں ۔ اس تنہائی اور

بےکسی کے عالم میں جب میری نظروں نے اُس وسیع دائرے کی وسعت کو ناپا
نے دیکھا کہ تھوڑا تھوڑا فاصلہ چھوڑ کر مجھ ایسے اور بھی کئی لوگ باہر نکلے پڑ
ہیں ۔ ۔ ہم سب نے ایک دوسرے کو دیکھا ۔ ایک جانی پہچانی اجنبیت ہم پر
کے لئے آشنائی کا باعث بنی ۔ ہم سب نے ایک دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن
سے عبرت لیتے ہوئے اپنے اپنے درمیان کچھ فاصلے برقرار رکھے ۔ اور ہم سب نے
دائرے کے باہر اپنی چھوٹی سی دُنیا بنالی ۔ اُس وقت مجھے آگہی ہوئی تھی کہ اب جو ہم
درمیان کچھ فاصلے قائم کئے ہیں اگر یہیں پہلے کر لیتے تو آج یوں OUTSIDER بنے
ہم بھی اس دائرے میں ہوتے ۔ تب میں نے جانا تھا کہ ہم میں سے کسی کو کسی نے بھی ا
سے باہر نہیں نکالا تھا ۔ بلکہ ہر شخص خود ہمارے قریب اس لئے نہ آیا تھا کہ شاید ہم ایک
کو قبول نہ ہوں تب میں نے جانا کہ دنیا جب ہمیں ٹوکتی تھی یا بے رُخی دکھاتی تھی تو ہ
چوٹ نہیں کرتی تھی بلکہ التجا کرتی تھی کہ ہم لوگ کچھ دیر کے لئے اپنی پسند کو بھول کر
کی پسند کی بات بھی کرلیں ۔ لیکن یہ سب کچھ جاننے کے باوجود اب ہم لوگ اس د
کے اندر نہیں جا رہے ۔ وجہ ؟ اپنا چین تو کھوئیں گے ہی دوسروں کا چین
برباد کریں گے ۔

شعر کہاں کے، مر مرکے ہم نے کچھ جانا اور کہا
جب کچھ کہنا سیکھ گئے تب چُپ رہنا آسان ہُوا

گنبد سے جو اُٹھتی ہے وہ آواز ہیں ہم
عبرت زدہ انجام کا آغاز ہیں ہم
بیٹھی ہوئی ہے تاک میں اہونی تلخ
اک مرگِ پُر اسرار کے غماز ہیں ہم

زندہ تو ہوں لیکن کوئی انداز بھی ہو
اس دل کے دھڑکنے میں کوئی راز بھی ہو
ویرانۂ ہستی میں خلاؤں کی ہے گونج
میں کس پہ صدا دوں کوئی آواز بھی ہو

ذہن ہے فکر میں قرینہ معلوم

اب میں انجامِ سفینہ معلوم

انس پہ ہے گماں دمِ آخر کا

لی نہ ہو شکل تو جینا معلوم

مرجاتے دُکھ سے ہم! کہاں تھے ایسے

غم کے سبھی انداز ہیں دیکھے بھالے

لیکن آواز میں ہے اب ایسا سوز

جس طرح بیابان میں کوئی رو دے

جذبات کے دھارے تھے کہاں تھمتے تھے
جس طرح نہ لمحاتِ رواں تھمتے تھے
چارہ ہی رہا نہ بہتے جانے کے سوا
تھا ڈوبنے کا خوف، جہاں تھمتے تھے

سو نقش ہیں واضح کوئی تصویر نہیں
وہ شوق ہیں جن کی کوئی تفسیر نہیں
اے ہم نفسو! خوابِ فراموش ہیں ہم
جُز موت ہماری کوئی تعبیر نہیں

اِس فکر کا سُوجھتا نہیں حل مجھ کو
کیا دُکھ ہے نہیں چین جو اِک پَل مجھ کو
سوچا ہے اور اس قدر سوچا ہے
ہو جانا چاہیئے تھا پاگل مجھ کو

جَل بجھ گئے اب خاک کا جلنا کیسا
مٹ کر کفِ افسوس بھی ملنا کیسا
لیکن یہ کہ برباد ہوئے جاتے تھے
محسوس ہُوا کس کو سنبھلنا کیسا

منزل کی دُھن میں ایسی سُدھ بُدھ بھُولی
دیکھی نہ تھی جُستجو کی ایسی مستی
جس کی منزل جہاں جہاں ہے اے تلخؔ
کھویا ہُوا ہے وہیں وہیں وُہ راہی

کس دیس پرائے کا تو باسی ہے تلخؔ
کیوں رُوح جنم جنم کی پیاسی ہے تلخؔ
کس دیس میں تو ڈھونڈتا ہے من کا چین
اِس دیس کی مٹّی میں اُداسی ہے تلخؔ

گذرے تھے چند لمحے تیرے ہمراہ
آجاتے ہیں جو یاد مجھ کو ناگاہ
یہ عالم ذہن و دل کا ہو جاتا ہے
جیسے کسی مظلوم کو مل جائے پناہ

دل بھی کسی کیفیت میں سرشار ہوا
ملنے کا بھی موہوم سا آزار ہوا
یوں جان پڑا، بھیگ گئی تھیں آنکھیں
تیرے لئے مجھ سے آج انکار ہوا

تحریک نہ اُٹھتی تھی کوئی اِس دل سے
ماضی کو بُھلایا تھا بڑی مشکل سے
لے آئے ہو تم مجھے اسی منزل پر
پاتال میں جا گرا تھا جس منزل سے

کیا جانیے کھایا ہے نظر نے دھوکا
یا واقعی زندگی کا پَرتو دیکھا
مُنھ موڑ کے موت سے چلے آئے ہیں
ہم گشتۂ حال و مایوسِ فردا

یہ کوہِ عزائم اب نہیں ہلنے کا
ب اور نہیں کوئی بھی گل کھلنے کا
کیا ڈھونڈتی پھر رہی ہے تو اے دنیا
ب تجھ سے تلخ تو نہیں ملنے کا

اے جذبۂ و دردِ ارتقائے ہستی
ثابت نہ ہو کھوکھلی بنائے ہستی
یہ تلخیٔ عقل سہہ سکے گی کہ نہیں
ہستی ہے جنوں تو ہائے ہائے ہستی

کھائے تھے جو ہم نے زخم، کاری نکلے
ہم تلخ لُٹے ہارے جُواری نکلے
بھاگ اُٹھتے ہیں آشناؤں کو دیکھ کے یوُں
ایسا نہ ہو کچھ بات ہماری نکلے

کیا خُوب، ہدف نہیں شکاری تھے ہم
غیبی طاقت کی ضربِ کاری تھے ہم
جھوٹا کہہ کہہ کے تُو نے سچ بُلوایا
ورنہ سچ بولنے سے عاری تھے ہم

ہر بات پہ احباب کا منہ کیوں دیکھو
جو آئے تمہارے جی میں وہ کر گذرو
سب اپنے ہی احساس کا رکھتے ہیں خیال
اپنا کسے کہتے ہیں پرایا کس کو

خوش کرنے کی عادات کہاں سے لائیں
یہ کشف و کرامات کہاں سے لائیں
اپنی تو ہر اک بات ہے وجہ رنجش
تیرے ہی خیالات کہاں سے لائیں

رہنے کو تو ہر لحظہ جنوں خیز رہے ہے
دُنیا کے دُکھوں میں بھی غم انگیز رہے ہے
اے وائے یہ خود آگہیٔ اہلِ خودی
یہ لوگ طبیعت کے ذرا تیز رہے ہے

یُوں تجھ میں بہت بل ہے مگر اے دُنیا
یہ بھی تو کبھی بھول کے سوچا ہوتا
ٹھکرائے ہوئے یوں تو بہت ہیں تیرے
ہو جائیں یہ سب ایک تو پھر کیا ہوگا

دل بُجھ ہی گئے تو دور ہوں گے نہ شکوک
تو قطعِ تعلقات کرنے سے نہ چوک
میں نے تو بُرا نہ زندگی کا مانا
ہے تیرے سلوک سے بُرا اس کا سلوک

ہاں ہجر سے اور کیا زیادہ ہو گا
ہم سا بھی مگر کیا کوئی سادہ ہو گا
یہ سوچ کے چھوڑ دی ہے ملنے کی اُمید
اُس کا بھی تو ایسا ہی ارادہ ہو گا

کھتی ہیں یہ پھیلی ہوئی باہیں اے دوست
کیا ہے جو الگ ہیں راہیں اے دوست
اتنی گنجائشیں ہی دے دیں خود کو
پھر بھی اِک دوسرے کو چاہیں اے دوست

باتوں باتوں میں غم بھُلانے والے
رنجش کو مری بھُول بتانے والے
میری بھی خطا بھُلا سکے تو جانوں
او اپنی خطائیں بھُول جانے والے

اپنے دلِ بیتاب کا رونا روتے
یا ہجر کے اسباب کا رونا روتے
میں اُن پہ توجہ کھول کے ہنس دیتا ہوں
ملتے ہیں جو احباب کا رونا روتے

اے دوست نہیں ہے مصلحت کا پہلو
ہم لوگ بغیرِ امتیازِ من و تو
خود مرکزِ عشق ہوں تو کب سوچتے ہیں
کیا دوست کے جذبات ہیں کیا اپنی خو

دیکھو تو جما ہے کیسا رنگِ محفل
بیدار بھی ہو گئے یہاں تو غافل
دل کیا کہ دماغوں میں بھی سناٹا ہے
یارب حل کر دے تو ہی ان کی مشکل

ہر بات بہت طول پکڑ جاتی ہے
ہر شخص کو فوقیت کی پڑ جاتی ہے
گٹتے بھی نہیں دلائلِ اہلِ شعور
اور بزم کی بزم ہی اکھڑ جاتی ہے

اب اور نہ کچھ سوچ جھجکتا کیا ہے
لا کام میں ہاتھ پیر، سکتہ کیا ہے
سنگم پہ کھڑے دھارے کی رفتار نہ دیکھ
نیچے سے زمیں پھٹتی ہے تکتا کیا ہے

کیسی ہمت کہاں قدم جم جاتے
پاتال تھا پاتال کہاں تھم جاتے
لیکن ایسی ہی وہ بلندی تھی تلخ
رُک جاتے ہم تو دونوں عالم جاتے

کہنے کو تو مجھ سے تم نے کیا بات کہی
رہنے کو کوئی بات اَدھوری نہ رَہی
اے دوست یہ جاگنا مِرا رات گئے
اب جو بھی اِسے کہیں کہ کچھ بات ہُیئی

مت بولتے منھ سے تو اشارہ کرتے
یا بات کو سُننا ہی گوارا کرتے
چُپ ہو گئے آخر کو بُلانے والے
کیا کرتے تمھیں بیٹھے پکارا کرتے

دَم دیتے ہیں سب موجِ بقا کے جھونکے
آتے نہیں اِس سمت قضا کے جھونکے
کب تک یُوں فکر کی گپھاؤں میں جلوں
گُل کر دے مجھے بادِ فنا کے جھونکے

آتے ہی سامنے جھجکنے کی ہے دیر
ہے دیر تو اب پلک جھپکنے کی ہے دیر
بس جائیں گے تیرے دل میں ہم آپ ہی آپ
بس آنکھ اُٹھا کے تیرے تکنے کی ہے دَیر

افسوں تو ہو اور فسوں ساز نہ ہو
ہو جستجوئے راز مگر راز نہ ہو
کھلتا نہیں حیرت کا یہ عالم گویا
لب وا تو ہوئے ہوں مگر آواز نہ ہو

چاہا کہ ٹھہر جاؤں مگر وقت نہ تھا
مجھ میں نہ ادھر دم تھا اُدھر وقت نہ تھا
آواز تو دی تجھے ہر اک منزل پر
اے قافلۂ وقت میں پر وقت نہ تھا

بنامِ یگانہ

اس عمر پہ یوں موت تری کیا ہے عجب
اے یاس و یگانہ، ترا مرنا ہے غضب
یوں جان پڑا جیسے کوئی یہ کہہ دے
مینارِ قطب گر گیا ہے کل شب

فطرت نے مرے سامنے دِل کھول دیا ہے
نظروں میں تجسّس کی جگہ درد نے لے لی

غزلیات

●

شکستہ پا کو بھی اب ذوقِ رہ نوردی ہے
دلوں میں ہم نے وہ دُھن منزلوں کی بھر دی ہے
گذار کر تری یادوں میں چار دن ہم نے
سمجھ لیا کہ کوئی خاص بات کر دی ہے
اُداسیاں مری ہستی پہ چھا گئیں اے دوست
عجیب تُو نے یہ غم آشنا نظر دی ہے

مری طلب مری ہستی سے کچھ زیادہ نہ تھی
اگرچہ مجھ پہ یہ تہمت جہاں نے دھر دی ہے
یہ ٹھیک ہے ترے غم نے کیا تباہ مگر
ترے خیال نے پھر زندگی سی بھر دی ہے
جو راستے نظر آتے ہیں جانے پہچانے
اُنھی نے گمشدگی کی ہمیں خبر دی ہے
غم اور کیا مجھے ہوگا مگر بتا دو تم
کہ بات ختم ہی اپنی طرف سے کر دی ہے
نہ راستہ کوئی واضح نہ منزلِ مقصود
مجھے حیات نے کیا فرصتِ سفر دی ہے
مجھے تھا شوق کہ فطرت نے کیا دیا مجھ کو
کھلا کہ فرصتِ تنظیم مختصر دی ہے

بلا سُراغِ حقیقت تو دیکھتا کیا ہوں
کہ اُس نے قوّتِ اظہار ختم کر دی ہے
میں اجنبی ہوں خود اپنی نظر میں آج اے دوست
تری نگاہ نے اپنی تو کیا خبر دی ہے
گلہ تو بے اثریِ نوا کا مجھ کو رہا
ندائے دل پہ یہ ہیں نے صدا کدھر دی ہے
نہ پوچھ آگہیِ غم کہ یوں ہوا محسوس
دہکتی آگ پہ جیسے زبان دھر دی ہے
یقین تک نہیں کرتے یہ قائلِ شُدنی
کہ اپنے جانے کی اب سو طرح خبر دی ہے
یہ مانتا ہوں کہ بخشی ہے زندگی تم نے
یہ پوچھتا ہوں توجہ کبھی ادھر دی ہے

بہت الجھی ہوئی باتیں ہیں ہم تو سوچتے ہیں
کبھی تو موت کو ترجیح زیست پر دی ہے
عجیب شوق مری زندگی کے تھے اے تلخ
کہ دل کی عین جوانی میں موت کر دی ہے

۵

جذب ہے تکمیل ذوقِ دید کی
پھر نہ دیکھا جائے اتنا دیکھئے

دل میں بہ ایں خُودی نہیں جذبات کم ابھی
گُذرے نہیں شکست کے امکاں سے ہم ابھی
آنسو چھلک پڑے تو نہ شکوہ سرا سمجھ
آتے ہیں یادِ عشق کو تیرے کرم ابھی
جیتے ہیں جن مراحلِ ہستی میں اہلِ درد
دُنیا پہ آ پڑیں تو نکل جائے دم ابھی

مدّت ہوئی کہ سازِ محبّت چھڑا نہیں
کانوں میں گونجتے ہیں مگر زیر و بم ابھی
کس کس کی یاد محورِ ہستی بنی نہیں
قائم ہے اپنے دل میں خودی کا بھرم ابھی
شایانِ چشمِ عشق کوئی درد بھی تو ہو
اے جستجوئے دیدۂ بیتاب! تھم ابھی
دُنیا کے دل پہ چھوڑے گا نقشِ دوام کیا
اے نقشِ آرزو مرے دل پر تو جم ابھی
حسّاسِ طبعِ عشق بھی کچھ تم سے کم نہیں
ہم تم قریب آئے ہیں ویسے بھی کم ابھی
اہلِ عدم کی نیند بھی کر دے اُچاٹ عشق
لیکن نظر گئی نہیں سوئے عدم ابھی

ہستی میں جن سے جاگ اُٹھے دردِ بیکراں
وہ سانحات عشق پہ گذرے ہیں کم ابھی
دُنیا کو دیکھنا ہے یہ دورِ حیات ابھی
مجھ کو جلا سکا نہیں سوزِ الم ابھی
ہم نے چراغِ فکر لہو سے جلا دیا
لیکن ملا نہیں ترا نقشِ قدم ابھی
خوشیوں کی تہ ٹٹولنے میں بھید کیا ہے تلخ
بھولے نہیں ہیں کیا تجھے وہ تیرے غم ابھی

●

اُلجھے ہوئے ذہنوں نے کیا خوب سکوں ڈھونڈا
سب حال سے غافل ہیں سب منتظرِ فردا

ہستی مری مٹ جاتی اوہام کے پردوں میں
مجھ کو تو طلب میری خود کر گئی بے پردا

یہ کچھ ہے مرا جینا یہ کچھ ہے مری ہستی
کچھ تلخیٔ ناکامی کچھ خواہشِ ناکردہ

کچھ طورِ جنوں کے ہیں کچھ ہوش کا عالم ہے
کیا وقت اب آئے گا اے باخبرِ فردا

نظروں کے تجسس کو اے تلخ ہوا کیا ہے
کیوں باعثِ تسکیں ہے اب جلوۂ بے پردا

●

سُنا یہ جب کہ وہ آئے تھے حدِ امکاں تک
صدا تو کیا کہ بھر آئی تھی چشمِ ویراں تک

سُلوکِ حسن تو ہستی پہ چھا گیا ہے یوں
خلوصِ عشق نہیں ہو سکا نمایاں تک

ابھی نہیں ہے ترے غمزدوں کی یادوں میں
وہ یاسیت کہ نہ ہو زندگی کا ارماں تک

ہر انقلابِ محبت میں عظمتیں بھی نہ دیکھ
فغاں کہ بھول گئے تیرے عہد وپیماں تک

ہماری سادگیٔ طبع کا مذاق بنا
نہیں تھا ورنہ یہاں خود سری کا امکاں تک

ترا سلوک مجھے سب سے بدگماں کردے
عجب نہیں جو مرے دوست ہوں نہ حیراں تک

ہزار ہا تری سنجیدگی پہ شک گذرے
ابھی نظر میں ہیں تیرے خلوصِ پنہاں تک

لہو سے رنگ دیا میں نے اُس تصور کو
نہیں حیات میں جس کے گذر کا امکاں تک

مری نظر میں ہے سب تلخ جیسے پہنچا ہوں
جنونِ شوق سے چل کر شکستِ پیماں تک

غمزۂ ناز کا ہے وہم سراسر ہم کو
اُس نے دیکھا بھی نہیں آنکھ اُٹھا کر ہم کو
غفلتِ ہوش نُما تذکرۂ عشق نہیں
بلکہ خوش آئے یہ انداز ہی اکثر ہم کو
اعترافِ خلشِ غم ہمیں کرتے ہی بنی
راحتیں ہوتی رہیں گرچہ میسّر ہم کو

شاملِ قصۂ ہجراں غمِ پنہاں نہ ہُوا
ناز کیا کیا ہے ترے عہدِ وفا پر ہم کو

عشق کب تجھ کو بھلانے کا گنہگار ہُوا
ہاں حذر ذکر سے رہتا ہی تھا اکثر ہم کو

اب خطاؤں پہ بھی سو لطف و کرم ہیں یعنی
کر دیا ہے نظر انداز سراسر ہم کو

لگ گئی چُپ ہی کھلے ہم پہ جو رازِ فطرت
شوقِ اظہار رہا گرچہ برابر ہم کو

عوضِ خوں طلبِ نُور تھی اے شمعِ خیال
کر دیا خاک ہی تُو نے تو جلا کر ہم کو

تُو نے آوازِ عطا کی تو بُلانا بھی سکھا
کیا بنانا تھا فقط درد کا پیکر ہم کو

دیکھ اے جستجوئے دل یہ خلائے پیہم
اب بنا دے تو غم و رنج کا خوگر ہم کو
تنگ بڑھ آئے ہیں ہم اپنی طرف سے کتنا
اب گلے بھی تو لگا لے کوئی بڑھ کر ہم کو

۵

ہم کو انجام کا غم کیا کہ کسی حال میں ہوں
آ ملیں گے کبھی تجھ سے ترا آغاز ہیں ہم

●

ہجر آگاہ تھے دِل، جذبۂ اقرار نہ تھا
تم نے چاہا، نہ ملیں اب، ہمیں انکار نہ تھا

جانے کیوں عشق بہت شاد رہا اِک مُدّت
غمزۂ ناز محبّت کا بھی اقرار نہ تھا

دُور رہ کر تری نظروں سے لہو روتے ہیں
اور سوچیں تو کچھ ایسا بھی سروکار نہ تھا

تھا مرے ذہن میں یہ نقشۂ تغیرِ جہاں
وہ تحیّر تھا کہ میں قادرِ اظہار نہ تھا

ایک تو شوق کی تفسیر، پھر اس کے آگے
اب ہوا کام وہ دشوار جو دشوار نہ تھا

اکثر اوقات مجھے کر گئیں خوشیاں ہی اُداس
راحتیں پوچھ نہ اس کی جسے آزار نہ تھا

کوئی الزام تو دے تاکہ ترے ہجر نصیب
یہ تو سمجھیں کہ تجھے لطف سے انکار نہ تھا

اُسے کہ مل بیٹھے ہم آوارہ مزاجوں سے کبھی
جی نہ چاہا ترا، لیکن تجھے انکار نہ تھا

کوئی بے طور تعلق کوئی بے وجہ خلوص
یہ بھی ہوتا تو مجھے پھر کوئی آزار نہ تھا

زندگی تجھ کو میں رو پیٹ چکا تھا کب کا
اب بھی اک عمر پڑی ہے میں خبردار نہ تھا

ہائے ہم اہلِ محبت کہ ہیں اب شکوہ بھرا
تو نے جب شاد کیا تھا لبِ اظہار نہ تھا

تلخ پردیس چلے جائیں گے یارو کہ وہاں
کون جانے گا کہ تھا یا کوئی گھر بار نہ تھا

●

آ سکی لفظوں میں کب دِل کی مکمل واردات

ہیں کئی انکار ابھی محتاجِ چشمِ التفات

زندگی پل بھر کو بیباکانہ گذری تھی مگر

میں اُسی پل میں گذر بیٹھا بحدِ ممکنات

آج تک تیری نگاہوں میں ہے دُنیاے جھجک

آج تک تیری طرف میں نے بڑھا رکھا ہے ہات

شب ستاروں کو سُلگتے دیکھ کر جلتا ہوں میں
اِن شراروں کی طرح روشن نہیں کیوں میری ذات

سب کو اس جینے پہ ہمدم زندگی کا وہم ہے
میرے کچھ کہنے پہ بگڑی بیٹھی ہے کُل کائنات

کچھ نہ کچھ خوشیاں بھی جینے کے لئے درکار تھیں
ہو گئی اب عشق کی آوارگی وجہِ حیات

اُب بتاؤں کیوں مِرے افکار میں ہے سوز و درد
کچھ نہیں افکار کی دُنیا میں حدِّ ممکنات

شام سے پھیلے ہوئے سایوں میں کھو جاتا ہوں میں
اور جلتا ہے چراغِ فکر ساری ساری رات

میں تو کہنے سے رہا کیا حُسن اس دُنیا میں ہے
میری ہستی اس حسیں دُنیا کی ہے اک واردات

زیست وہ بازی ہے جس پر داؤ ہر کوئی لگائے
میں نے پایا ہے یہ نکتہ کھا کے چاروں خانے مات
کتنے دکھ کی بات ہے میں اپنے غم بھولا نہیں
آہ جب خوشیوں سے ہے بھرپور اب تیری حیات
دل سے کوئی درد اُٹھ کے چھا گیا ہے مجھ پہ تلخ
جب کبھی چاہی بدلنی میں نے یہ طرزِ حیات

●

تلخیاں ہستی دا احساس کو بے حس کر کے
چین کی نیند مجھے خود ہی سُلا دیتی ہیں
کبھی ماحول کو چُپ دیکھ کے جی رو اُٹھا
رونقیں یوُں تو ہمیں روز رُلا دیتی ہیں
کچُھ بھلانے کے لئے چھوڑ نہ دے دامنِ ہوش
تلخیاں ہوش کی سب کچھ ہی بھُلا دیتی ہیں

۵

ہنسنے والوں میں یہ شعور کہاں
کس کو کس بات سے خوشی ہو گی

●

خلا ہزار سہی، پہلوئے سکوں کیا خوب

کہ میں کسی سے نہیں ہو کے رہ گیا منسوب

ہم اہلِ درد کی دُکھتی رگیں نہ چھیڑ اے دوست

یہ سب تری ہی بدولت ہیں خوبیاں کہ عیوب

یہ تجھ سے شکوہ نہیں ایک بات کرتا ہوں

ترے تغافل و الطاف کا ہے ایک اسلوب

بغیر اُس کی توجّہ کے زندگی معلوم

اب اِک مقام پہ آئے ہیں عاقل و مجذوب

دلیلِ راہِ جنوں ہے ثبوتِ کم عقلی

مذاقِ عشق ہوا یوں ہی خوب سے ناخوب

کیا نہ تُو نے بھی گو پہلی رنجشوں کا ذکر
مگر یہ دیکھ کہ میں نے بھی غم چھپائے خُوب

بجا کہ یاس مزاجوں میں بس گئی ہے مگر
تصوّرات میں جینا بھی کر دیا معیُوب

میں ہنس ہنسا کے غموں پر تو کاٹتا ہوں دن
تجھے بتا ہی دیئے غم تو اب غموں میں نہ ڈوب

جو گُم ہیں وسعتِ آفاق میں مزاجب ہے
سلوکِ دہر کے شاکی بھی ہوں نہ یہ مجذوب

بہ ایں خلوصِ تعلق رہا نہ ہم تم میں
دماغ اُلجھ گئے ورنہ گزر رہی تھی خُوب

نباہ سہل بھی ہے تلخ اور مشکل بھی
کہ کچھ نہ عشق میں مطلوب ہے نہ کچھ معیُوب

●

اپنی فطرت کہ لااُبالی ہے
خود ہی اپنی ہنسی اُڑا لی ہے
اب وہ بحثِ غم و نشاط نہیں
اُس نے کیا اِک نگاہ ڈالی ہے
دل کے ہاتھوں بہت سہی مجبور
تیرے دل کی بھی بات پالی ہے
زندگی اس قدر نہیں بے بس
جس قدر خود سے بے خیالی ہے
تجھ سے بڑھ کر نہیں مجھے ڈینا
گاہ تیری بھی بات ٹالی ہے
عشق کی شادمانیاں معلوم
محض پل بھر کی بے خیالی ہے

بے نیازی نہ اپنا شیوہ تھا
کچھ تمہاری ادا اُڑالی ہے

آج دُنیائے عشق رو اُٹھی
آج خود پر نگاہ ڈالی ہے

ہم سے اُس جانِ زندگی نے آہ
اب توجہ بھی کچھ ہٹالی ہے

عشق تنہا یا تو ہمات ہی تھے
بہر احساس ذہن خالی ہے

اِس نظر کی اُداسیوں پہ نہ جا
تیری دُنیا مگر نرالی ہے

ہم تو کب کے بجھے پڑے تھے تلخ
اُس کے غم کی تو بات اُچھالی ہے

●

کوئی تلخیاں نہ سمجھ سکا مری چپ میں ڈھل گئی آہ بھی
وہ قبول کرنی پڑی مجھے نہیں جس حیات کی چاہ بھی

مرے قرب میں تری سوچ بھی مرے رنگِ فکر میں ڈھل گئی
کوئی اور میری نگاہ میں نہیں اس سے بڑھ کے گناہ بھی

مرے سازِ عشق سے اب کبھی نہ اٹھے گا نغمۂ سرخوشی
اسے چھیڑنے کو تو چھیڑ دے تری ایک اچٹتی نگاہ بھی

نہ تو ہمّات قبول ہیں نہ ہے تابِ تلخیٔ آگہی
ہمیں ہے جنونِ شعور بھی ہمیں ڈھونڈتے ہیں پناہ بھی

اثرِ خلا دانا ہے یہ کہ سُلگ سُلگ کے ہیں جل بجھا
وہ خموش آتشِ فکر تھی مرے دل سے اٹھی نہ آہ بھی

میں نواگرِ غم شوق ہوں میں شکارِ فکر و نشاط ہوں
مری بات سیدھی تو ہے مگر کوئی پا سکا نہیں تھاہ بھی

مری آنکھ اٹھی جو دہر پر تو نگاہ تجھ پہ بھی جا پڑی
یہ گماں ہوا کہ جہان میں تھی مجھی پہ تیری نگاہ بھی

تو بتا نہ فلسفۂ جنوں کہ میں شاید اس کو سمجھ سکوں
مگر اپنے تجربے کی کہوں تو کبھی ہے ہوش گناہ بھی

مری زندگی میں جو یاس ہے نہیں اس کی وجہ تری وفا
کئی اور دوست بھی تھے جنہیں نہ بھلا سکی تری چاہ بھی

کئی حادثات کا دخل ہے جو کسی کو تلخ بھلا دیا
مگر اب وہ پیکرِ یاس ہوں کہ نہ تھا بہ حالِ تباہ بھی

●

آتا ہے اب بھی یاد جو تلخی سے حال تھا
یادش بخیر کچھ بھی بھلانا محال تھا
اُس کو تکلفاتِ جہاں نے بجھا دیا
وہ دل بھی جو رونقِ بزمِ جمال تھا
کیوں میری تلخیوں کا اثر کرلیا قبول
تیرے مزاج میں تو بہت اعتدال تھا

ناکامیاں بھی عشق کو دیتیں پیامِ شوق
اے دردِ ہجر تیرے لئے کیا محال تھا

ہنگامہ ہائے دہر میں گُم ہو گیا ہے عشق
پانا محال ہے کبھی کھونا محال تھا

رو دھو کے حُسن و عشق کو آ ہی گیا قرار
تجدیدِ دوستی کا نہ کوئی سوال تھا

لیتا نہیں اثر کوئی وہ ذہنِ بے نظیر
جس سے کسی بھی نقش کا مٹنا محال تھا

دو چار اور زندگیاں تلخ ہو گئیں
میرا مزاج میرے تو جی کا وبال تھا

شکوے بھی آہ عشق نے تجھ سے کئے کہ جب
تو لطف سر بسر میں سراپا سوال تھا

مجبور کر نہ اپنی خوشی کے لئے مجھے
جز ہجر اور تجھ سے نہ کوئی ملال تھا

ہم اس لئے بھی تجھ سے نہ بیباک ہو سکے
تیرے کرم ستم کو سمجھنا محال تھا

جب اور کہنے سننے کی کوئی رہی نہ بات
کیا ہو گیا ہے عشق کا پھر یہ سوال تھا

کیوں تم کو بے وفا بھی کہے عشق اور ہاں
شاید اسے بھی اپنی وفا پر ملال تھا

دل بجھ گیا لطافتِ احساس کے طفیل
میں سوچتا ہوں کیا یہی میرا مآل تھا

جس طرح میرے ذوق نے کھائی نہیں تھی چوٹ
یوں تلخ میں تو مائلِ اخفائے حال تھا

یہ ٹھیک ہے چپ سی لگ گئی ہے مگر سمجھ لی ہے مات اپنی
کہ لہجہ اتنا نہ تلخ ہوتا سُنی ہی جاتی جو بات اپنی
یہ تجرباتِ حیات ہیں کچھ کہ بزمِ شہکار چونک اٹھی ہے
کہی ہے اس ڈھب سے بات اپنی کہ رکھ دی چھلکا کے ذات اپنی
میں جانتا ہوں کہ آج مجھ میں نہیں رہا وہ مذاقِ ہستی
چھپی ہوئی بھی نہیں ہے لیکن مری نگاہوں سے مات اپنی

گماں گذرتا ہے اب بہت کچھ گذار کر زندگی غموں میں
تری توجّہ سے بھی نہ شاید بدلتی طرزِ حیات اپنی
اگر کبھی شادمانیاں تھیں تو آج غمگیں سہی محبت
مگر یہ جینے کے ڈھنگ کیا ہیں نہ ذکر تیرا نہ بات اپنی
کبھی کبھی تو دماغ سے یوں جھٹک دیئے فکر کے عناصر
کہ جیسے ٹھکرائی جا چکی ہو قدم قدم پر حیات اپنی
نہ پوچھ احساس زندگی کا جو تجھ کو کھونے کے بعد ہم میں!!
کبھی نگاہوں میں ہیچ دُنیا کبھی نگاہوں میں مات اپنی
یہ کیسی بیگانہ اور تنہا صدا زمانے میں گونجتی ہے
نہ دُکھ بھری کائنات اپنی نہ رونقِ شش جہات اپنی
خلا میں کب کوئی جی سکا ہے چراغِ فکر آج بُجھ رہے ہیں
نہ تم رہے زندگی کا مرکز نہ بن سکی کوئی بات اپنی

بہت بھلانا بھی خود کو چاہا بہت بھلائی بھی یاد تیری
مگر تری یاد کے سوا بھی کسے کہیں کائنات اپنی

وہ چند پہلو تھے زندگی کے کہ جن سے دل مطمئن نہیں تھا
اُنہی کو ہم نے سنوارنے میں نباہ کر لی حیات اپنی

یہ شام کے گہرے ہوتے سائے چراغ سے دل میں جل اٹھے ہیں
کہ جیسے آجاؤ گے ابھی تم تو بن ہی جائے گی بات اپنی

ہماری نظروں میں زندگی اب عجب معمّہ بنی ہوئی ہے
کہ موت بھی ہے شکست اپنی کچھ اور جینا بھی مات اپنی

حیات کیا تلخ جانتی ہے کہ جس طرح ساتھ دے رہا ہوں
مزاج میں یاس بس گئی ہے نباہ سیکھی نہ ذات اپنی

●

اے گردشِ زیست عینِ مستی
چھلکائے کون جامِ ہستی

محرومیٔ عشق حد سے گذری
اتنی کہ نظر نہیں ترستی

دُکھتا ہوا دل تو ہو گیا چپ
شاید آجائے راس ہستی

پھر عشق ہے مبتلائے راحت
یہ جانِ حزیں چھُٹی نہ سستی

اِک نغمہ تھا ماورائے احساس
چھیڑا نہیں یُوں ہی سازِ ہستی

سنجیدہ ہم بہت رہے تلخ
پھر دُنیا کیوں نہ ہم پہ ہنستی

اے اہلِ جہاں میری تو پلکوں پہ نمی ہے
ہستی پہ تکبّر کی کہاں گرد جمی ہے
اب دیکھئے کیا گوشہ نشینوں کی روش ہو
بے راہ روی اہلِ جہاں کی تو تھمی ہے
تنہائی نے تہ کردی ہے یہ پھول سی ہستی
اِک موت اٹا ہے کہ یہاں کس کی کمی ہے

یادیں ہیں وہ تیری کہ مراحل ہیں کوئی اور
یہ ہستیٔ آوارہ کہیں آکے تھمی ہے
رہ رہ کے دہک اُٹھتی ہے اِک آگ سی دل میں
اِس ہستیٔ سوزاں میں لطافت کی کمی ہے
کُھلتے ہوئے اسرارِ محبّت جو نظر آئے
تب سے نگۂ اہلِ وفا خود پہ جمی ہے
کیا جانیئے کیا اہلِ محبّت کی ہیں خوشیاں
کہتی ہیں وُہ آنکھیں تمہیں کس غم کی کمی ہے
ہم اہلِ وفا خوُن بھی روئے تھے کبھی تلخ
مدّت ہوئی جذبات پہ اب برف جمی ہے

●

ترا عشق بے توجّہ مرا شوق بے ارادہ
رہ و رسمِ دوستی ہے کہوں اس سے کیا زیادہ

یہ فراق و قرب کیا ہیں یہ مزاجِ عشق کیا ہے
یہ تو کھیل کھیلتی ہے تری اِک نگاہِ سادہ

میں خلا میں جی گیا ہوں مگر اُف یہ رنگِ فطرت
جو طلب ہے وحشیانہ جو طلب وہ بے ارادہ

ترے عشق نے کیا تھا جو چراغِ فکر روشن
مری تیرہ زندگی کا یہی ہے چراغِ جادہ

بڑی تلخ زندگی ہے جو بھی ذہن میں ہے کہہ دوں
کہ رہے مرا تخیل مرے ذہن میں مبادہ
تمہیں کچھ خبر ہوئی ہے کہ بدل دیئے ہیں مرکز
جو تم آج چاہتے ہو کبھی تھا مرا ارادہ
مجھے سوچنا پڑا ہے ہوئی کیا خود اعتمادی
کہ بنا ہے فرض جینا مرا اور تھا ارادہ
مجھے چین کیا ملے گا مجھے کیا اماں ملے گی
کہ شعورِ غم کی نسبت ہے جنونِ غم زیادہ
مجھے ہے تو شادمانی کہ ہے میری فکر گہری
مگر اس سے زندگی میں ہوئیں تلخیاں زیادہ
کبھی تلخ کو بھی دیکھا وہ ادا متکبرانہ
وہ مزاج منکسرانہ وہ نگاہ غرقِ بادہ

●

محسوس زندگی کو ہوئی ہے کمی تری
تجدیدِ دوستی نہیں! اچھا، خوشی تری

اُس جانِ آرزو نے ہمیں دُکھ بھی کب دیئے
اے عشق گفتنی نہیں ناگفتنی تری

اُن کے لئے وفا کی بھی اب تو مثال ہے
گرویدہ کر گئی تھی جنھیں بے رُخی تری

اے دوست تلخیاں مری ہنسی سے دُھل گئیں
برداشت کی ہے اس قدر آزردگی تری

یہ بے دِلی نتیجۂ سُود و زیاں نہیں
احساسِ عشق دے نہ سکی دوستی تِری

ہم اہلِ درد کھو نہ سکے اعتمادِ شوق
معصوم اِس قدر رہی بیگانگی تِری

تُو آشنا بھی غم زدگانِ وفا سے ہے
سو غم دیئے نگاہ نہ لیکن پھری تِری

طالب رہے ہیں موت کے ہم آج تک مگر
راس آ گئی روش کوئی اے زندگی تِری

تیری وفا پہ بھی جو رہے ہیں گلہ گزار
اُن کو سلوکِ دہر پہ یاد آ گئی تِری

کانوں پڑی صدا پہ کسے ہو یقین تلخ
اس درد میں پکار رہے ڈوبی ہوئی تِری

●

میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ کوئی خطا نہ ہو
لے تیری یاد بھی نہ سہی تُو خفا نہ ہو

مانا کہ میری فکر میں ہیں تلخیاں بہت
ذہن ایک حادثہ بھی اگر بھولتا نہ ہو!

دیوانہ وار ہنس بھی دیئے اپنے حال پر
پھر چُپ بھی ہو گئے کہ کوئی دیکھتا نہ ہو

جانے کوئی سلوک لگے جی کو کب بُرا
ہم تم میں چاہے کوئی بھی جی کا بُرا نہ ہو

آپ آ ملا ہوں تجھ سے کچھ ایسا ہی سوچ کر
شاید پکارنے پہ بھی تُو نے سُنا نہ ہو

سب جانتے سمجھتے ہوئے چپ ہُوا ہوں تلخ
کہنے کو جس طرح مرے کچھ بھی رہا نہ ہو

●

اپنا جہانِ راز اگر تُو نے مجھے بتا دیا
خُوب کیا مگر بتا مجھ کو بھی کیوں تبا دیا

میری نگاہِ درد کی لا نہ سکو گے تم بھی تاب
آنکھ کو آرزُو تو دی اپنا نہ کچھ پتا دیا

واہ ری لغزشِ جفا جینے کا لُطف آ گیا
سعیٔ کرم میں حُسن نے اور بھی دل دُکھا دیا

تیرے کرم کی خیر ہو ترکِ دعا قبول کر
ورنہ کہے گا اک جہاں تو نے مجھے مٹا دیا

اب ہے کہاں کا رازِ تُو اب میں کہاں کا رازجو

سوچ کہ تُو نے ہو بہو خود سا مجھے بنا دیا

وہم و گماں میں ڈال کر پھر یہ کہا کہ مجھ کو مان

میں نے طلب کیا تھا کیا اور یہ تُو نے کیا دیا

غفلتِ ناز کم نہ تھی اس پہ غرورِ دلبری

میرے سکوتِ شوق کو شوقِ سخن بنا دیا

قصۂ زیست کے لئے ایک زمانہ چاہیئے

قصّۂ دل تو آنکھ نے پل نہ لیا سُنا دیا

آہ نہ راس آسکیں حُسن کو بھی وہ شوخیاں

ہم نے تو شوقِ قرب کو ہجر کا غم بنا دیا

دیکھ نہ میری خودسری، دیکھ یقینِ مدّعا

دل کو ترِی ہی آس تھی تُو نے ہی آسرا دیا

مان کے شرطِ امتحاں خود پہ رہا نہ اعتماد

جس لئے میں بنا نہ تھا خود کو وہ کیوں بنا دیا

حُسن کے ہاتھ میں سہی عشق کی قسمتیں مگر

دل نے غلط سلوک کا آج سوال اُٹھا دیا

آج یہ ہم جو چُپ رہے جانے وہ دل میں کیا کہے

یہ نہ اُسے گماں رہے ہم نے اُسے بُھلا دیا

تیرا خیال تھا کہ میں تُجھ سے تُجھے نہ مانگ لُوں

مُجھ کو نوا عطا نہ کی دل کو یہی مدّعا دیا

کیا ہے سُخن سے فائدہ اے غمِ دل یہ اب تُو جان

میں نے سکوتِ ناز سے جو بھی سُنا سُنا دیا

اب ہے اُسے بھی غم مگر ترکِ وفا سے قبل تلخ

اُس سے کہا کہ کچھ بدل عشق کا واسطہ دیا

●

دل نے اکثر ترے پیمانِ وفا دُہرائے
کہ پڑے چوٹ کبھی ایسی کہ جی بھر آئے

آہ یہ رمز شناسانِ محبّت کا خیال
تجھ سے اے دوست ترے غم کو چھپایا جائے

پھر کسے جور کہیں اور کسے لُطف و کرم
کہ نہ بیگانہ بنے تُو نہ ہمیں اپنائے

کوئی شکوہ ہے تو یہ اے نگۂ ناز ہمیں
تُو وہ ہے جس کو نہ مایوس بھی کرنا آئے

کچھ وہ لمحات نہ یاد آئیں تو کیا اچھّا ہو
جب کہ ہم تم نے وفا کی تھی کہ کچھ بن جائے

تُو نے سوچا نہیں صورت بھی نکل سکتی تھی
تُو نے چاہا تو ہے اُمیّد مری بر آئے

لوگ گنجینۂ اسرار سمجھتے تھے جنھیں
زعم میں ہو گئے بے پردہ وہ ہائے ہائے

دیکھ پھر ڈوب گئی یاس میں اپنی آواز
کر دُعا عشق کو دکھ درد بھی سہنا آ ئے

کون ادا تھی کہ جسے لُطف سمجھ بیٹھے ہم
کہ تجھے پائیں جو ہرگا نہ تو جی بھر آئے

ہم تجھے دیکھ کے غمگین بھی ہو جاتے ہیں
کوئی وہ بات نہ ہو جائے کہ دِل بُجھ جائے

ہم تو بس ختم سمجھ بیٹھے ہیں اِن قصّوں کو
نگہِ ناز ہی دہرائے تو اب دُہرائے

ہم نے تو ذکر فقط اُس کا کیا تھا تم سے
تم کیا بات ہوئی تم تو بہت گھبرائے

●

جی رو رہا ہے دیکھ کے دنیا کو شوخ و شنگ
قبل از سکوت تھے یہی میرے بھی رنگ ڈھنگ

پھر آج داستانِ الم دل نے چھیڑ دی
پھر گوشۂ خیال ہوا وحشتوں پہ تنگ

پھر زندگی کے خاکۂ سادہ کی آئی یاد
جس میں اُداسیوں کا بھرا جا چکا ہے رنگ

پھر آ گیا خیال کہ یہ ہے مری حیات
جس طرح نصب کر دیں مزاروں پہ لوحِ سنگ

پھر ڈھونڈتا ہے اَجی وہی معصوم حیرتیں
یعنی خود اپنی بات پہ ہو جائے عقل دنگ

ذوقِ نمو نمود و فنا سے ہے ماورأ،
پھر کس لئے گُلوں کا اُڑا جا رہا ہے رنگ

دستِ طلب ہیں خارِ جنوں سے لہو لہان
دامانِ آرزو میں ہیں گلہائے رنگ رنگ

تُو نے کبھی جو پرسشِ غم کی تھی ایک بار
اُس کو ہر اِک سے کہنے کی دُھن میں ہے کیا اُمنگ

دُکھ جائے راہ و رسم سی پُرسش پہ ہائے ہائے
برسوں جو دل ہوا نہ کسی سانحے پہ دنگ

اب دل پہ کُھل سکا ترا صبر و سکوتِ غم
دھندلا پڑا ہے جب سے تری شوخیوں کا رنگ

اتنا بھی کیا مذاق کہ آنسو نکل پڑیں

اے زندگی کہ رو دیئے آخر ترے ملنگ

جو کشتۂ شعور ہیں اُن کا نہ حال پوچھ

کب دل سکھا سکا تھا یہ آوارگی کے ڈھنگ

پہلا سا عالمِ غمِ پنہاں نہیں رہا

مدّت سے اب نہیں ہیں ہمارا جنوں پہ رنگ

ذوقِ جمال کو نہیں بے پردگی قبول

آئینۂ شعور پہ آنے لگا ہے زنگ

سوجھی خودی کو خوب کہ فطرت کا منہ چڑھائے

کیا تھا یہ آئینہ جو نہ ہوتا حریفِ سنگ

فطرت سے ہو گئیں جو ہم آہنگ خود ہی تلخ

اُن طاقتوں سے یونہی اُلجھتے پھرے ملنگ

ہم ڈوبے ہوئے غم میں جب آنکھ اٹھاتے ہیں
کیا تکتی ہیں یہ آنکھیں کس دُکھ سے جھکاتے ہیں

اے بے حسیٔ ہستی کچھ تُو ہی بتا ہم کو
یہ کب کے ہیں سب قصّے جو سُننے میں آتے ہیں

جو لمحہ گذر جائے اپنے لئے راحت ہے
احساس کے ہاتھوں ہم یُوں جان بچاتے ہیں

وہ حُسن کی چُپ دل سے دیکھی نہیں جاتی تھی
جیسے وہی بے بس ہوں جو بگڑی بناتے ہیں

ہم کھوئے رہیں جب تک چُپ ہیں یہ دل و دیدہ
جب دھیان ہٹا اپنا دونوں ہی بھر آتے ہیں

یہ راز نہیں کھُلتا ہم ایسے سراپا غم
کیا بھولتے ہیں اُس دم جب ہنستے ہنساتے ہیں

جو دُکھ ہمیں کہنا ہے وہ کہہ نہیں پاتے ہم
اور جس سے محبّت ہو ہم اس کو ستاتے ہیں

آواز سُنے دل کی مدّت ہی ہوئی ہم کو
کب سے اسے ویرانہ ہم دیکھتے آتے ہیں

یادیں ہیں سو دھندلی ہیں بے ربط ہے ہر لمحہ
اک غم ہیں کہ ہستی کی کڑیاں سی ملاتے ہیں

تُو جان تجھے کب سے دیکھا نہیں آنکھوں نے
یہ بُجھتے دیئے پَل پَل بس جلتے ہی جاتے ہیں

اس دل نے سُنی تھی اِک آواز دلِ تنہا
اس سمت ابھی تک ہم آواز لگاتے ہیں

تم تلخ بڑے کب تھے دیوانے ہو روتے ہو
سب سچ ہی نہیں ہوتا جو سنتے سناتے ہیں

نرم و نازک لہجہ اگرچہ سب کے سُخن کی جان ہُوا

اپنے ہاں جو کھُرا پن ہے ظلم بھی تو ہر آن ہُوا

ہم تھے اپنے سے عالم میں تب اتنا ہیجان ہُوا

جب یہ بات ہوئی پیدا غم ہستی کا سامان ہوا

پہروں سوچ میں ڈوبے رہنا آنکھ اُٹھانا ہنس دینا

دل کو کچھ احساسِ زیاں ہے جو اتنا سنسان ہُوا

بکنے کی گنجائش کب تھی وہ کہتے ہم سنتے تھے
جو لفظ اُن کے منہ سے نکلا اس جی کا ارمان ہوا

یوں تو اس دل میں ہر لحظہ یاد بسی رہتی ہے تری
عالم یہ ہے جونہی تیرا ذکر سُنا ویران ہوا

کس شدت سے تیری یاد میں روئے اور ہنسے ہیں ہم
جیسے تجھ سے پیماں ٹوٹا یا تجھ سے پیمان ہوا

دل کہتا ہے تجھ کو دیکھا روتی آنکھ یہ کہتی ہے
تب کیا ایسی آسانی تھی اور اب کیا آسان ہوا

ہنس کر چوٹ اگر دل کھا لے - یہ اِک خوبی ہے لیکن
جس نے دُکھ کو دُکھ نہیں جانا وہ بھی کیا انسان ہوا

اُس نے اپنا جان کے ہم کو بات ذرا سی کہہ دی تھی
دل اپنا ٹھہرا وہ پاگل رو رو کر ہلکان ہوا

بیٹھے بیٹھے اپنے دل سے آہ نکل جاتی ہے کیوں
ضبط ہم ایسا کیا کر بیٹھے ایسا کب امکان ہُوا

وہ جو تھا اک نقشِ سویدا نور کا مظہر کیوں وہ بنا
میں نے اس پر جتنا سوچا اُتنا میں نادان ہُوا

کوئی کسی سے دل کی خبر پاتا ہے اپنی، ورنہ یہاں
جس نے جس کو جتنا جانا اُتنا ہی انجان ہُوا

جانے پھر کب جی بھر آئے پھر سب کا منھ تکتے ہیں
اپنا تو بس یہ عالم ہے رو کے ہٹے ہیجان ہوا

جس کو تیری لگن ہو اُس کو کیا مشکل پہچان تری
لیکن سب پہ تیرا گماں ہو میں اس پہ حیران ہُوا

پہلے کب یوں پاؤں اُٹھے تھے یہ تو اس نے پکارا ہے
لاکھ سہی اپنا دل ناداں اتنا کب انجان ہُوا

عشق میں کس نے کس کو رُلایا کون بھلا کہہ سکتا ہے

ہم نے جو اپنی وضع نباہی یہ تیرا احسان ہُوا

اپنا تجسّس اپنے دل کی بات زباں تک لاتا ہے

جس نے سب کچھ جان لیا وہ جان کے بھی انجان ہُوا

اپنے دل کے ویرانے میں سائیں سائیں رہتی ہے

دیکھو تو کیا شورِ مسلسل سناٹوں کی جان ہُوا

شعر کہاں کے مر مر کے ہم نے کچھ جانا اور کہا

جب کچھ کہنا سیکھ گئے تب چُپ رہنا آسان ہُوا

تلخ بلندی جتنی بھی ہو نظریں آ ہی پہنچتی ہیں

اپنے تخیّل کا دنیا پر یہ تو ضرور احسان ہُوا

●

بج اُٹھے غیب کی مضراب سے وہ ساز تھے ہم
ہم نہ تھے پھر، فقط آواز ہی آواز تھے ہم

دل کہ تھا گنبدِ بے در مگر اے زورِ نظر
وہی سناٹا لئے ایک درِ باز تھے ہم

وہ نظر تھی کہ گئی کون و مکاں سے بھی پرے
آنکھ کا پردہ رہا مائلِ پرواز تھے ہم

بس ہمیں بھی تھا یہی اپنا پتا تا درِ دوست
کبھی آواز، کبھی گوشِ برآواز تھے ہم

فاش ہم خود پہ ہوئے راز کھلا کیوں تیرا
راز جو تجھ سے ترے یا خود ہی ترا راز تھے ہم

سانحہ دل کا کریں بھی تو بیاں ہم کیسے
تا بہ انجام وہی صورتِ آغاز تھے ہم

دل پہ اسرارِ خودی کھل گئے تو یہ نہ کھلا
تھے نظر بندِ خودی یا نظر انداز تھے ہم

منتہیٔ راہِ تجسس کو نہ کہہ بے خبری
ہو کے رہ جاتے جو گم کیا کوئی آواز تھے ہم

دل نے گھبرا کے جو آواز تجھے دی تو کھلا
خود ہی بیگانۂ سرِ انجمنِ ناز تھے ہم

سب رہے محوِ فغاں ہم ہمہ تن گوش رہے
منزلِ دوست تھی اور دل کے ہم آواز تھے ہم

کچھ نرالا نہ تھا اندازِ تغافل تیرا
اپنی حیرت میں اسی کا کوئی انداز تھے ہم

داغِ دل آج جو ہر جلوۂ بے پردہ بنا
کبھی ہر جلوۂ در پردہ کے غمّاز تھے ہم

جب نہ آغاز نہ انجام کا امکان رہا
جبھی جانا کہ اِس انجام کا آغاز تھے ہم

یوں تو سب چُپ تھے مگر اس کی نظر تھی ہم پر
جیسے اُس بزم کے سنّاٹے کی آواز تھے ہم

میں نے چُپ ہو کے سُنا سب کو یہ کہتے ہوئے تلخ
کیا وہ آواز ہوئی جس کے ہم آواز تھے ہم

●

جولانیٔ خیال تو جینے میں مرگئی
کچھ کر گذرنے کی تھی جو منزل گذر گئی
کچھ اہلِ غم تو درد کی تکمیل پا گئے
اوروں کا سعیٔ ضبط عجب حال کر گئی
ہم کو تھا اتنا چین کہ ہر شورشِ جہاں
پہنچی ہمارے گوشۂ دل تک تو مر گئی

سو منزلیں تھیں ایک سے بڑھ کر حسین ایک
آ کر نظر خلاء ہی خلاء پر ٹھہر گئی

اُفتاد آ پڑی ہے یہ کیسی کہ اے ندیم
ہر کوئی پوچھتا ہے کہ دُنیا کدھر گئی

زندہ ہیں اب بھی ہم کوئی چاہے تو دیکھ لے
معلوم ہو کہ کس پہ قیامت گذر گئی

پہلی فضائے نُور میں کچھ دور تک تو عقل
پھر اِک جگہ لکیر دھوئیں کی اُبھر گئی

ہو علم کی لگن تو کہاں کا جہانِ راز
جب جب نظر گئی تو نظر در نظر گئی

اے ہم سفر ہیں مژدۂ منزل پہ شاد ہوں
کیا گمشدہ دل کو بھی کوئی اس کی خبر گئی

کیا زندگی گذار رہے ہیں خبر نہیں
کہنے کو ایک عمر ہماری گذر گئی

کب چشمِ بوالہوس میں ہیں اپنی سی وسعتیں
کیوں آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

ہوں گوش بر صدا کہ تو شاید جواب دے
یہ جانتا ہوں میں کہ صدا بے اثر گئی

کیا دل کو پھر مآل کوئی یاد آ گیا
بے ساختہ نگاہ جو اُٹھتے ہی ڈر گئی

ہاں؛ دیکھ کر مجھے جو رُکے تھے ذرا سے تم
گویا مری نگاہ میں دُنیا ٹھہر گئی

چاہا تو تھا خبر نہ تجھے میرے غم کی ہو
پھر بھی دبی سی آہ لبوں سے اُبھر گئی

سمجھا ہے کوئی وُسعتِ غم کیا ہماری طرح
جس بزم میں گئے ہیں وہ خوشیوں سے بھر گئی

دل نے صدا تو دی تھی مگر تُو یقین کر
دل سے اُبھر کے وہ مِرے ہونٹوں پہ مر گئی

آوازِ بازگشت اگر سُن رہا ہوں میں
پھر میری چُپ پہ کیسی یہ آواز اُبھر گئی

دل میں وہ درد تھا کہ کئی بار زندگی
خود اپنی جُستجو سے بھی آگے گزر گئی

اتنی خوشی ہوئی کہ گلا رُندھ گیا تھا تلخ
اک دُور کی صدا مِرے دل میں اُتر گئی

●

ہوئی وہ بھول ابتدا میں ہم سے رُکے نہ ہم انتہا سے پہلے
کسی کا عہدِ وفا نہ جانا کسی کی ترکِ وفا سے پہلے
میں ظلمتِ شب کی بے حسی میں چلا ہوں سوزِ نگاہ لیکر
کہ گمشدوں کا پتہ لگا لوں جو ہو تو بانگِ درا سے پہلے
یہ اس کو کیا ہو رہا ہے لوگو عجیب تیزی میں ہے یہ دنیا
کہ جس طرح مٹنا چاہتی ہو یہ اپنے روزِ فنا سے پہلے

ہمیں یہ تہذیبِ نو کی محفل جگہ تو دامن میں کیا ہی دیتی
وہ بزم کی بزم اُکھڑ گئی تھی سماعتِ مدعا سے پہلے

جسے بھی اِس گلشنِ ادب میں کسی نے بھی داد دی تو یوں دی
کہ پھول کمھلا گیا تھا یہ بھی بہارِ جلوہ فزا سے پہلے

ہمارے قصّے بنیں گے ایسے کہ ہم سے ہوگا نہ ربط جنکو
کہے گی دنیا کہ تھی نہ واقف ہماری اس اس ادا سے پہلے

ہر جذبۂ انفرادیت ہے علامتِ انتشارِ محفل
ہر ایک کہتا ہے کوئی جادہ نہ تھا مرے نقشِ پا سے پہلے

ہمیں سے کچھ سیکھ لے زمانہ کہ ہم میں باتیں ہیں کچھ تو ان کی
جو اپنے وقتوں کے چل دیئے تھے جہانِ نو کی ادا سے پہلے

میں پوچھتا ہوں بس اِس نظر کو حدیں تعیّن نہیں جو کرتی
جو خود کو بھی کچھ نہیں سمجھتی فضائے لاانتہا سے پہلے

جلا ہوں سوزِ نوا میں کیسا اگر یقیں ہی نہیں ہے تجھ پر
یہ کیا کہ ترکِ دعا بھی کر لی لبوں نے حرفِ دعا سے پہلے

جو انجمن خود کو کہہ رہے ہیں دلا رہا ہوں میں یاد ان کو
کہ انجمن انجمن نہیں تھی ہدایتِ رہنما سے پہلے

تو غم کو جب اپنا غم سمجھیو کہ جب تجھے یہ بھی بھول جائے
کہ کیا ترے غم کی ابتدا تھی کہ کیا تھا اس ابتدا سے پہلے

بنا بنایا جہان ہم کو جو دے گئے ایک لوگ وہ تھے
یہ ہم ہیں جو انتشار پیدا کریں گے ہر ابتدا سے پہلے

یہاں تو جو کچھ بھی ہو رہا ہے کچھ اس طرح ہو رہا ہے اب تو
کہ جیسے کچھ بھی نہ تھا جہاں میں کسی نئی ابتداء سے پہلے

صدا پڑی جب یہ منزلوں سے کہ رسمِ دار و رسن ادا ہو
تو جوش میں کارواں ہی سارا پہنچ گیا رہنما سے پہلے

کسی کا سوزِ نوا جو دیکھا تو دل نے آواز یہ سُنی تھی

طلب میں تُو سوز چاہتا ہے تو مانگ نا آشنا سے پہلے

ہم اپنی آواز لے کے آئے تو اس سے مطلب نہیں یہ ہرگز

کہ تیری محفل میں کچھ نہیں تھا ہماری طرزِ ادا سے پہلے

بلندیوں سے پلٹنے کی ہے عجیب دُھن آج ہر کسی کو

میں کہہ رہا ہوں پلٹ بھی آنا گذر تو لو ماورا سے پہلے

ابھی کئی منزلیں پڑی ہیں ابھی نہ تم راہبر کو بدلو

کہ خود کو پاؤ گے پھر وہیں تُم جہاں تھے اِس ارتقا سے پہلے

نہ عام کر دردِ دل تُو اپنا کہ تیرے غم کا نہیں مداوا

وہ آشنا جو قدم قدم پر ملیں گے غم آشنا سے پہلے

خطا ہماری جفا تمہاری ہوا ہے دونوں کا ہم پہ احساں

کہ ہم نے جانا ہی کیا کسی کو نگاہ و دل کی خطا سے پہلے

وہ کامرانِ وفا کہیں کیا کہ کس سے محروم رہ گئے ہیں
جنہوں نے عہدِ وفا نہ باندھا شعورِ رسمِ وفا سے پہلے

جنھیں سخن گوئی کا نشہ ہے وہ مان لیں تلخ میرا کہنا
بہت گراں ہے یہ عیشِ فطری سکوتِ صبر آزما سے پہلے

تلخ جو بیتی تھی، ہم اتنے نہ ہو پائے اُداس
فکر میں جھلکے کہاں وہ غم کہ جو ہستی میں تھے

موت کی آواز

(بلینٹ و رس)

آج پھر موت کے جذبے میں بڑی شدّت ہے
آج وہ بات نہیں ہے کہ طبیعت شل ہو
اس خنک رات میں موجود ہے ہر وہ عنصر
جس سے تکمیلِ تمنّا بڑی آساں ہو گی

کچھ نہیں سوجھ رہا، ہوش کا عالم یہ ہے
یٹیاں بجتی ہیں کانوں میں، عجب گونجیں ہیں
یوں دھمک نبض کی آتی ہے کہ دَم رُکتا ہے
یوں ٹھٹھکتے ہیں قدم جیسے کہ اندھا ہوں میں

سا دل پہ جیسے ہو منوں بوجھ کہ ہر دھڑکن سے
ذہن میں ٹیسیں اُبھرتی ہیں رگیں تنتی ہیں
مٹھیاں آپ ہی بھنچ جاتی ہیں کھُل جاتی ہیں
کوئی احساس کا لاوا ہے کہ تھمتا ہی نہیں
ماورائے سخن و فہم ہے آوازِ ضمیر
زندگی گھوم گئی ہے مری نظروں میں یوں
جی میں آتا ہے کہ میں چہرہ جھُلس لوں اپنا
اتنا ویراں مرا ماضی ہے کہ ممکن ہی نہیں
میں کسی یادِ گذشتہ کا سہارا لے لوں

رکھ دیا مجھ کو ڈھنک کر مرے احساس نے آج
سرد ماتھے پہ پسینے کی ہیں بوندیں اِس طرح
سنگِ مرمر کی کسی قبر پہ جیسے دمِ صبح
اوس کے قطروں کی جھالر سی پڑی ہوتی ہے

حاصلِ عمر ہے یہ پل کہ مری ہستی میں
زندگی بھر نہ ہوئی تھی کبھی ایسی ہلچل
رُواں رُواں ہے مرا مرکزِ محسوسات اب
غالباً موت دبے پاؤں چلی آتی ہے

کیٹس

(KEATS)

کیٹس وہ گیت کہ جو تُو نے کبھی گائے تھے
موت پھر دھیمے سُروں میں انہیں دہراتی ہے
اور اس بار ترِی یاس بھری لے نہ سہی
اکثر آواز مِری تجھ سے ہی مل جاتی ہے

میرے ترسے ہوئے نغمے، مِری مجروح انا
میرا دُکھتا ہوا احساس، مِیری تلخیٔ فکر
تیری گمبھیر اُداسی کے ہیں انداز تمام
نظر اندازیٔ دُنیا کا نہ شکوہ ہے نہ ذکر

موت یہ میری ہے میں تیری طرح مر نہ گیا
حسرتِ مرگ و غمِ زیست کا اب پیکر ہوں
میں کہ جینے کا گنہگار رہا ہوں اب تک
کیوں نہ اس جرم کی تردید و تلافی کر دوں

لوگ کہتے ہیں کہ انسان جیئے گُل کی طرح
خار پہلو میں بھی رکھتے ہوئے خنداں ہونا
جانے کس کس کی اُمیدوں کا ہوا ہو گا لہو
ہم کو آیا ہی نہ اوہام پہ نازاں ہونا

آ کہ میں نوحۂ شبلی پہ اضافہ کر دوں
زیست کیا تیری لطافت کو سمجھ سکتی تھی
تیرا جی نغمۂ بلبل ہی سے دُکھ جاتا تھا
سب تھے لاعلم تجھے موت سے آگاہی تھی

مرنے والے! تجھے کس طور کا جینا تھا پسند!
جس میں کیا سوچ سے وابستہ نہ تلخی ہوتی؟
یاس و اندوہ کا احساس نہ ممکن ہوتا؟
چشمِ شاعر میں نمی دیکھ کے دُنیا روتی

خون کیا روؤں، نہیں درخورِ گریہ ماحول
زندگی جو بھی ہے کچھ اپنے لئے ہے ہی نہیں
یہ تو ہم لوگ تکلّف ہی میں آ جاتے ہیں
موت سی ورنہ ہمارے لئے کچھ شے ہی نہیں

دھند

بھر دیا دُھند نے آکاش تلے عینِ خلا
جی دُکھی ہے، مگر اتنا بھی مجھے یاد آیا
مدتوں تک اسی عالم کے لئے ترسا ہوں
اپنی فطرت کی طرح آج فضا کو پایا

مل گئے ہوں مرے احساس کو گویا الفاظ
جی میں آتا ہے کوئی پاس بھرا شعر سہی
کوئی دیکھے نہ مجھے کوئی بُلائے نہ مجھے
پاس سے ٹھہرے ہوئے سائے گذر جائیں یونہی

دھند چھا جائے دو عالم پہ ہمیشہ کے لئے
اشتیاقِ نظر و دل نہ رہے ہوش نہ ہو
چھین لے جائے کوئی ذہن تو پھر کیا کہنا
موت کی آس میں دل یوں ہمہ تن گوش نہ ہو

سوچتا ہوں کہ میں سوچا نہ کروں گا ا
شاید اس درجہ نہ پھر پاؤں میں خود کو غم
مگر اس سوچ سے حاصل کہ اُداسی می
اک حقیقت ہے کوئی معجزۂ فکر نہ

جُرم سنگیں ہے بہت آگہیٔ رنج و الم
کچھ نہ بھولا مجھے اس موت سی خاموشی میں
مجھ تھکے ہارے کو ایسے ہیں شعور و احساس
کرب کی جیسے جھلک رُخ پہ ہو بیہوشی میں

دھندلی پڑ جائے مِری سوچ مِری یاد اے کاش
جانے مایوس مجھے جی کا ارادہ کیا ہے
دل میں جی کھول کے رونے کی تمنّا ہے کوئی
ایک آنسو ہے کہ آنکھوں میں اُمڈ آیا ہے

حُسن مر جائے تو پھر موت حسیں لگتی ہے
حسرتِ دیدِ افق اب نہیں رکھتی آنکھیں
بُوئے گل، نغمۂ بلبل، غمِ نظّارۂ حُسن
زندگی موت کی توفیق جو دے سب مر جائیں

دل کی دھڑکن مجھے جینے کی دلاتی ہے یقیں
اور احساس پہ اس وقت گذرتی ہے گراں
ذہن ہو جائے گا شل جیسے کوئی دم میں اور
وقت کب ٹھیر سکا۔ مجھ کو گذرتا ہے گماں

ہائے اُبھری ہیں وہ خورشید کی چُھبتی کرنیں
میرے وہموں کی طرح دُھند بھی اب چَھٹنے لگی
خون لے لے کے بھی تخئیل کی ہر شکل مجاز
ایک دو بُوند کی خاطر نہ حقیقت میں ڈھلی

ہائے پل بھر کو بھی ماحول مرا ر
ہائے کیوں میں نے ہی ماحول کو
خواہشِ مرگ کو میں موت سمجھ
اور اب سوچ رہا ہوں مرے بس

اقبال

اے مفکرؔ تیرا احساس اپنی خاطر ہی نہ تھا
دیکھتی تھی خود کو تیری آنکھ سے کُل کائنات
بات جو دُنیا کے دل میں تھی وہ تیرے لب پہ تھی
چشمِ شاہیں بن کے دیکھی تُو نے حدِ ممکنات
زندگی کے تھے ہیں پہلو تھو ہر اک پہلو کے رنگ
تُو نے اِک اِک رنگ یوں دُنیا پہ ظاہر کر دیا

آدمی کرتا ہے گو اکثر حقائق سے فرار
اِن حقائق ہی میں مُضمر ہے مگر جینے کا راز

زیست کا مُبہم تصوّر شل دماغوں میں لئے
کتنے غم بے وجہ ہیں جو دل میں ہیں پالے ہوئے

زندگی ہے تلخیوں پر خندہ زن ہونے کا نام
موت کی وادی میں ہنس کر خیمہ زن ہونے کا نام

کرکے کُندن آتشِ افکار سے اپنا و
تُو نے پایا ہر جگہ احساسِ ہستی کا د

کس قدر ہو امتیازِ درجۂ پست و بل
پھینک دیتی ہے کبھی پستی بلندی پر ک

تیری چشمِ انقلاب آگیں میں تھی ہر ان
تُو نے ہر افتاد میں دیکھا تھا روئے

جو دلِ پروانہ میں پنہاں عیاں جگنو سے ہے

فکر میں تیرے وہ سوزِ زندگی مستور تھا

حُسن دیکھا موت کی صورت میں تیری آنکھ نے

کیا ضیا تھی جس سے تیرا دِل سراپا نُور تھا

عشق میں تُو نے فقط پائی نمودِ زندگی

اور رُوحِ زندگی تیری نگاہوں میں فراق

آدمی کا موت پر ہوتا اگر کچھ اختیار

آدمی کی موت کا پھر غم بھی ہوتا پائدار

عالمِ افکار کے ہیں اور بھی تارے کئی

اپنی اپنی تاب ہے اور اپنی اپنی روشنی

تُو نے یہ پیغام جینے کا دیا اے ہم سُخن

زندگی ہنگامہ ہے تُو رونقِ ہنگامہ بن

آتش و نم

سوچتے سوچتے دن رات اسی بارے میں
تھک گیا ذہن مگر حل یہ معمّہ نہ ہوا

جانے کیا مجھ کو بنا دیں گے یہ دُنیا کے سلو
جانے کب لوگ یہ جانیں گے کہ معصوم ہوں
مجھ سے اب حُسنِ دو عالم نہیں دیکھا جا
مجھ کو احساس دلاتا ہے کہ محروم ہوں

ایک سنگین حقیقت ہیں شعور و احساس
جب کہ بندھ جاتے ہیں ہچکی میں خوشی کے نغمے
آہ وہ یاد جو تلخی نہ عطا کرتی تھی
آہ وہ غم جو مجھے فکر عطا کرتے تھے

طبعِ حسّاس کو بھی کم نہیں میں کچھ رو یا
ہنس چکا ہوں میں بہت اہلِ زمانہ پر بھی
جانے جو مجھ سے بہت دور ہیں کیا جانتے ہیں
اپنے بارے میں سُنی جب بھی نئی بات سُنی

لوگ اِک دوسرے کو جانتے ہیں خود کو نہیں
کتنی معصوم و دل آزار ہنسی ہے ان کی
مجھ کو چُپ دیکھ کے اِس طرح نظر ڈالتے ہیں
ان کے ماحول کو جیسے نہ ہو توفیق مری

ان کا ماحول جسے کہہ نہ سکا میں اپنا
جس طرح ان میں مرا کوئی نہیں کوئی نہیں
ڈھل چلی رات مگر ٹوٹے ہوئے دل کی لُبکا
یاد کے گُنگ بیاباں میں ابھی کھوئی نہیں

کھو گیا پھر کہیں آکاش کی وُسعت میں چکور
اُس کی فریاد نے پھر چیر دیا سینۂ شب
موت کی شکل ہے کیوں ماہِ جوان زرد اور سرد
یہ کنایاتِ غمِ دل یہ مرا حُسنِ طلب
چشمِ بیگانہ سے جانا مجھے جس نے
مجھ کو سمجھا نہ کسی نے تو خطا کس کی
پھیر لیں آج جو تُو نے بھی نگاہیں تو
میں نے کیا جرم کیا ہے یہ سزا کس کی
بیٹھنے دے نہ رہِ زیست میں اے دوست مجھے
میں تھکا ہارا، مجھے نیند بھی آسکتی ہے

سوزِ نہاں

اِس سے مقصد نہیں تجدیدِ تعلق میرا
راہ چلتے ہوئے اِک دوسرے کو دیکھا ہے
پھر میں احساس کی حدّت میں پھُنکا جاتا ہوں
تجھ کو مبہوت سا پا کر مِرا جی دُکھتا ہے

جانتا ہوں تری نظروں سے بھی گذرے گ
اپنے جذبات کا اظہار کروں یا نہ کر
اپنے بارے میں کہی جب بھی غلط بات
شرحِ سوز و غمِ افکار کروں یا نہ کر

کبھی باتیں وہ سُنی ہیں کہ زباں ہوگئی بند
کبھی جذبات اُمڈ آئے تو جی بھر آیا
مدّتوں فکر کو اشعار میں ڈھالا، لیکن
جو بھی کہنا تھا وہ اب تک نہ ادا کر پایا

تُو نے بے محور و مقصد مِری ہستی کردی
تجھ کو شکوہ ہے کہ میں واقفِ آداب نہیں
ہُوں تو میں پیکرِ اخلاص مگر بے پروا
کہ مِرا آج کوئی حلقۂ احباب نہیں

ذہن ماحول کا شدّت سے اثر لیتا ہے
کیا غلط ہے جو مجھے خود سر و خود بین کہا
کس قدر تلخ رہی زندگیٔ فکر و انا
سوزِ تجدیدِ محبّت کو بھی توہین کہا

بات اتنی سی تھی اے دوست مرا فیصلہ تھا
اب یہ دُنیا کسی قیمت پہ نہیں جینے دے گی
تُو نے چاہا کہ میں گم خود کو جہاں میں کر دوں
میں نے سوچا کہ مرے ذہن پہ کیا بیتے گی

تھک چکا ہوں میں ہر اک بات پہ چڑ جاتا ہوں
بات اِسی حال میں جینے پہ رہی ہو جیسے
یہ اگر لوگ ہیں مجھ کو نہیں رہنا ان میں
یہ اگر شکل ہے مجھ کو نہیں جینا ایسے

وقت نے قصّہ کبھی میرا اگر دہرایا
سب نگاہیں ترے چہرے پہ اُٹھیں گی اِک دن
تجھ کو دیکھا ہے مرے ساتھ ہی اِک دُنیا نے
خود کو چُپ آج لگا رکھی ہے تُو نے، لیکن

تجھ کو اِک روز مِرے بارے میں کہنا ہوگا
لااُبالی مِری فطرت مِری بے جا تلخی
کس طرح چھیڑ بھری ہنستی ہوئی نظروں سے
اُن کی آن میں مستی تھی اُداسی دل کی

میری ہر جنبش سے ہر بات سے واقف ہے تو
میرے دُکھ درد کا احساس تجھے بہتر ہے
معترض بھی ہے مری ذات کا مدّاح بھی تو
جس طرح چاہے مجھے پیش کرے، تجھ پر ہے

چراغِ فکر

جمع قرنوں سے اندھیرا جو ہُوا ہے اب تک

منجمد لمحہ یہ لمحہ جو ہُوا جاتا ہے

کون کہتا ہے کہ اِک آن میں مٹ جائے گا

اور قرنوں سے ہے جو نُور کی ہلکی سی کرن

نُور بھی کیا کہ روایت ہی فقط نُور کی ہے

کیسے اس گھور اندھیرے کو نگل جائے گی

یہ اندھیرا تو ہے وہ جس کی کوئی تھاہ نہیں

کون کہتا ہے کہ یہ نُور کی ہلکی سی کرن

اور بھی لاکھوں چراغوں کو کرے گی روش

اس کرن کا یہی مقصد ہے کہ ہم جان سکی

کس قدر گہرا اندھیرا ہے کہاں ہم سب ہ

بیادِ مجاز

اے موت اے پناہِ غم و تلخیٔ حیات
اے دلفریب ساحرۂ غمزۂ ممات
وہ رمز آشنائے ادا رام کر لیا
تیری فسوں گری نے بڑا کام کر
ہاں اے حریف رونقِ ایوانِ زندگی
صد حیف دشمنی بھی نہیں تجھ کو آ

جس کا وجود زیست پہ بھرپور طنز تھا
ناگن! خبر بھی ہے کہ اُسے تُو نے ڈس

کیا اے سخی مجازؔ اُسے اور چاہیئے
دونوں ہی پہلے موت کے تُو نے ت

کیسے قضا سے تیری نظر جا لڑی مجازؔ
کی تھی نہ زندگی سے کبھی تُو نے س

رہ رہ کے یاد آئیں گی باتیں ہمیں تری
اب اشکِ خوں رلائے گی تیری فسو

تنہائیوں سے کب تجھے اس درجہ پیار تھا
ان محفلوں کا تجھ پہ تو دار و مدا

کس طرح زخم تیری جُدائی کا بھر سکے
گفتار کس کی آج مسیحائی کر

ایسا یہاں ہے کون جو تیرا مقام لے

تیری رضا یہی ہے تو اچھا سلام لے

تھمتا نہیں ہے نالۂ خونیں میں کیا کروں

میرا جو بس چلے تو ترے ساتھ آملو

کیا آ بنی ہے یارو اچانک یہ کیا ہُوا

محسوس ہو رہا ہے جو دِل ڈوبتا ہُو

اک ربطِ خاص ٹوٹ گیا کس کو کھو دیا

یہ کون چل بسا کہ زمانہ ہی رو د

کس کی صدائے درد نہ سُننے میں آئیگی

زندہ دِلی دکھائے گی کس کی ادائ

کس کی نظر میں آکے کوئی ہو گا سربلند

ہو گی پسند کس کی دو عالم کی بھی پ

بے قاعدہ حیات گذارے گا آج کون
ہاں بیکسیٔ عشق کی رکھے گا لاج کون
دیوانگی کی حد سے گذر کر بزعمِ ہوش
اب رہ سکے گا کون اسی طرح بادہ نوش
جھٹلا سکے گا کون ہر اک بار عقل کو
شارح ملے گا کون پُر اسرار عقل کو
وہ لاڈلا وہ ناز کا پیکر نہیں رہا
وہ منفرد مزاج سخنور نہیں رہا
اب ہے یگانہ شمع فروزانِ لکھنؤ
کن آخری دموں پہ ہے اب شانِ لکھنؤ

آہ یگانہؔ

متوقع تھی تری موت کسی پل بھی، مگر
آج سُن کر خبرِ بد مرا دل ڈوب گیا
ایک اِک کر کے سبھی چل دیئے میرے مُونس
اب تو آ جا مجھے لے موت کہ جی اُوب گیا

ہائے وُہ یاسؔ و یگانہؔ وُہ مفکّر و
ہائے وُہ مُنکر و مُلحد وہ مجاہ
ہائے وُہ درخورِ صد فخر و پرستش
ہائے وُہ گوہرِ افکار کا بح

راز جو بھی تھا وہی اور وہ خود راز بھی تھا
تھا وہی جس نے کہ جانا تھا کہا تھا سب کچھ
اُس دُکھی جان نے کیا کیا نہ ستم جھیلے تھے
اے زمانے ! یہ بتا کیا وہ روا تھا سب کچھ

زندگی دیکھ ، اجل دیکھ کہ میں طالبِ مو
ہائے کس درد سے ہوں مرثیہ خواں نوحہ ک
ابھی ہونٹوں سے اُبھرتی تھی صدا ہائے
زخمِ مرگ اس کا ابھی تھا دلِ پُرخوں میں ج

کیوں نہ وہ روئے گا یا اور ستم کیا ہوگا
جس کے دو چار ہوں دوست اور وہی مر جائیں
زندگی درد سہی ، کرب سہی ، یاس سہی
یہ مگر کیا ہے کہ غم خوار سبھی مر جائیں

میں نے ماحول سے اب تک نہ شکایت کی تھی
نہ زمانے کو بُرا میں نے کہا تھا اب تک
اے جہاں مجھ کو بتا دے کہ ابھی یاس کے بعد
تیرے ہاتھوں سے ہم ایسوں کو ہے مرنا کب تک

اے مرے ہندوستاں اے وطنِ اہلِ نظ
تو ہے سرچشمۂ فن، منبعِ ہر علم و ہن
تو ہے گہوارۂ تہذیب و تمدّن، لیکن
جیتے جی ایسے یگانوں کی کبھی قدر بھی کر
"اب اُسے ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر"

ایسی ہستی کہ جو خود آپ ہی اپنی ہو مثال
ناز اُس کے جو اُٹھائے ہیں وہ میں جانتا ہوں
قبل از مرگ مگر آہ وُہ رنجش وُہ ملال

زندگی بھر کا ہے رونا سو لہو روتا ہوں
کھائے بیٹھا ہوں میں وہ زخم جدائی کہ بس آہ
کیا خبر تھی کہ مٹا بھی نہ سکوں گا اس کو
ایسی دیکھی ہے زمانے کی خدائی کہ بس آہ

میرزا کچھ بھی کہا جائے تری شان میں آ
تیرے شایاں نہ تری موت نہ جینا تیر
زندگی لائے ذرا ایک ادا تجھ جیس
موت دیکھے تو یہ مرنے کا قرینہ ت

یہ زندگی ہے....

یہ زندگی ہے تو پھر اِس سے موت اچھّی ہے
اِسی خیال میں اُلجھا ہُوا ہُوں برسوں سے
مزاج لاؤں کہاں سے جو فیصلے کر پائے
کہ بے حسی میں جیئے جا رہا ہوں برسوں سے

طویل شبِ حیات اَور پھیلتے سے ہوئے
یہ دشتِ یاد کے ٹھنڈے گھنے سائے
پکارتے ہیں کہ او خستہ رہروِ ہستی
ہماری چھاؤں میں آ بیٹھنا جو دل آئے

میں سوچتا ہوں اسی یادِ آتشیں کے سبب
مگر نہیں کہ وہ سب یاد کرکے مرنا ہے
کہاں کا رَدِ عمل اور سانحے کیسے
کہ سوچنا بھی یہاں خود پہ جبر کرنا ہے

لگی ہوئی ہے جھڑی جانے کب سے ساون کی
نہ دُھل سکی ہے زمیں اور نہ کُھل سکا ہے فلک
یہ بھیگی بھیگی فضا یہ ہوا میں بوجھل پن
جمالِ ظاہر و پنہاں کی ایک سی ہے جھلک

وُہ جا رہا ہے پرے بھیگتا ہُوا اِک شخص
نظر میں حسن گُنہ، لب پہ نُخش نغمہ ہے
کچھ ایسی چال کہ کچھ بھی پتا نہیں چلتا
کہیں رُکے گا کہ اُس کو کہیں پہنچنا ہے

یہ شخص بھی ہے اسی زندگی کا رُوپ تو پھر
کہاں کی حسِ لطافت کہاں کا ذوقِ جمال
خلُوصِ فکر کا طالب ہے دل کا ہر جذبہ
وہ کوئی رنجِ نظارہ ہو یا وہ حُسنِ خیال

یہ مینہ میں شام کی پرچھائیوں کا ڈھ
جو گھری ہوتی ہوئی رات بنتی جاتی

یہ زندگی ہے تو پھر اس پہ اختیار
عجیب چین سا محسوس کر رہا ہوں

زمین جیسے ہو شاداب مینہ کی بوندوں سے
سما رہی ہے کچھ اس طرح نغمگی من میں
یہ من کہ جیسے گھری بدلی دیکھ کر ہر سمت
کوئی چکارہ اُچھلتا پھرے بھرے بن میں

کچھ اس طرح کا ہے احساس جس طرح اک صبح
کھلے جو آنکھ تو جانیں کہ آج ہولی ہے
ہے میینہ کہ بج سا رہا ہو ستار پر ملہار
عجب خوشی میں وہ کوئل کہیں سے بولی ہے

جو ہو سکے تو میں اس کی صدا میں گھل ج
جہاں بھی حسن ہو میں اُس میں ہو سکوں تح
دلوں کے درد میں نغمات میں سماج
ہوں نظر کا تجسس، خیال کی قن

وہ سوز دے مجھے اے فکر و شعر کی دیوی
کبھی تبسم روئے حیات بن جاؤں
کسی پلک سے ڈھلک جاؤں بن کے اشک خوشی
شکست عشق کی آواز میں نظر آؤں

نہ جانے کتنی صدائیں اُتر گئیں دل میں
کہ اُن میں حسن تھا غم تھا کسک تھی جینے کی
ولی مسرتِ یک لمحہ کتنی نعمت ہے
ذرا جھلک تو ملی زیست میں قرینے کی

مرے بھی دل میں اِک آواز ایسی گونجتی ہے
کہ آج تک جسے محسوس کر سکا ہوں میں
وہ ایسی گونج سی نغمہ سا ہے جسے ہر با
زباں پہ لانے میں ناکام ہی رہا ہوں میں

مگر یہ آگ سی کیا ہے کہ اس کا ذکر بھی ہو
یہ دل میں کیوں نہیں آتا کہ اس کو جذب کروں
یہ کیا خبر کہ وہ احساس زندگی ہی ہو
یہ زندگی ہے تو پھر اس سے پیار کرتا ہوں

خزاں

مہک مہک کے گُل و غنچہ آج کمھلائے
بدل گئی ہے کچھ اس طرح فطرتِ احساس
کہ جیسے جوشِ تمنّا پہ اوس پڑ جائے
کہ جیسے اُٹھتی ہے ناکامیوں پہ چشمِ یاس
گِھری گِھری سی فضا ہے گُھٹا گُھٹا ماحول
رُندھی رُندھی نظر آتی ہے کائناتِ حسیں
سہاگ سبزے کا جس طرح کوئی لوٹ گیا
اُجاڑ ٹہنیوں پر چاندنی ہے یوں غمگیں

ہر ایک ربط مٹا جا رہا ہے ماضی سے
عجیب کرب ہے گیتی کے زخمی سینے میں
ہوا کا شور ہے دم توڑتی فضاؤں میں یوں
کہ جیسے زور بہت لگ رہا ہو جینے میں

بہار آئے تو اِک لمسِ ناز سے
تمام فطرتِ خوابیدہ کو جگا جا
صدا کلی کے چٹکنے کی سُن سکے
کھلیں جو پھول تو چہکے سے جیسے شر

فغاں کہ اُس کے اُجڑنے کا یوں تماشہ ہو
دکھا رہی ہے جو قدرت کرشمہ و اعجاز
مری حیات کہ ہر پل اُجڑ رہی ہے مگر
شگفتگی کے عمل کی ذرا نہیں آواز

میں کیا بتاؤں مری زندگی ہے کیا اے دوست

کسی کو بھولتے جانے کی جان لیوا کسک

جہاں پہ آج یہ بے رونقی جو چھائی ہے

مری اُداسیوں کی اس میں ہے ذرا سی جھلک

لُڑھک پڑے کوئی کھائی میں کوہ سے جیسے

کچھ اس طرح کبھی اِس دل سے ہوک اُٹھی تھی

بس اس کے بعد وہ چھایا ہے گھور سنّاٹا

کہ چپکے چپکے مری زندگی اُجڑتی رہی

ہر قدم مجھے خوش آمدید کہتا ہے

بھرے جہاں میں مری زندگی کا سُونا پن

گذر گئی یونہی اِک عمر، یونہی گذرے گی

تو اے خزاں مری آئینہ دارِ درد نہ بن

شکوۂ بے جا

کبھی کبھی تری باتیں جو یاد آتی ہیں
مرے دماغ سے ہر بات اُتر سی جاتی ہے
جہاں کبھی نہ کبھی تجھ کو دیکھتا تھا میں
وہاں پہنچ کے نظر اب ٹھہر سی جاتی ہے

ہم اس جگہ کے علاوہ کہیں ملے
مگر نہ جانے مرے جی میں کیوں یہ
کہ پورے زور سے چیخوں یہ میری
یہ راستہ تو کسی اور سمت جا

یہ سوچتا ہوں کہ پایا ہی کب تجھے میں نے
کہ میرے دل میں ہے احساس تجھکو کھونے کا
کوئی سوال نہیں تیری بے وفائی کا
کوئی جواز نہیں دِل شکستہ ہونے کا

کنارہ موج سے کٹ کٹ کے جیـ
تباہ یوں مرا احساس کر رہا ہے
بھٹک ٹھک کے خلا میں شعورِ آ
فغاں کہ محورِ ہستی بنا چکا تھا

تو ہی بتا کہ یہ احساس موت ہے کہ نہیں
کسی سے کوئی اگر یوں گریز کر جائے
کوئی شکستہ عمارت ہو جیسے جنگل میں
اور اس کو دیکھ کے اک راہرو گذر جائے

بیگانہ و تنہا

●

لامکانی نگہِ دل کو نظر آئی ہے
زندگی میں کوئی تنہائی سی تنہائی ہے

یہ نظم ایک ایسے موضوع پر ہے جس کے متعلق

فلاسفی میں تو بہت کچھ کہا جا چکا ہے لیکن ادب میں اور خاصکر ہمارے

ادب میں اکا دکا باتوں کے سوائے اور کچھ نہیں کہا گیا۔ ہمارے

ادب میں کچھ اشعار میر کے ہاں اور فرداً فرداً غالب اور فراق

کے کلام میں بھی نظر آتے ہیں۔ انسان نے ازل سے خود کو اپنے ماحول

سے اجنبی اور بیگانہ محسوس کیا ہے۔ اسی احساس فطری نے انس

کو شاعر ادیب، فن کار اور فلسفی تک بنایا ہے۔

میں نے اسی موضوع پر ایک طویل نظم لکھی ہے جس کا پہلا باب

یہاں پیش کر رہا ہوں۔ میں نے اس نظم میں ای R. OUTSIDER

MR. OUTSIDER کا صحیح تعارف پیش کیا ہے۔ میری نظم کا

ہمارا فن کار ہے اور میں نے یہی دکھایا ہے کہ فن کار کے

میں اجنبیت کا احساس کس طرح پیدا ہوتا ہے   تلخ

بیگانہ و تنہا

کس تجسّس میں ہے اب فکرِ رسا سرگرداں
لامکانی نہیں بازیچۂ افکار و بیاں
ماورائے فکر و نظر سے ہے نظر کا عالم
وہم میں بھی ہے حقیقت کی خبر کا عالم
رک گئے پاؤں کہ شاید یہ زمیں کی حد ہے
اور اسے ماننے میں عقل کو ردّ و کد ہے
مثلِ آفاق ہے اُمڈا ہوا جل تھل ساگر
کچھ خنک سی ہیں ستاروں کی بھی شمعیں سرِ عرش
آنکھ تکتی ہے یہی کچھ کہ کسی نقطے پر
نیلگوں وسعتِ عرش اور سیاہی شب کی
نیلگوں آب میں تحلیل ہوئی جاتی ہے

اپنی دُھندلائے ہوئے گھلتے ہوئے رنگوں میں

تیرتی جاتی ہے مہتاب کی پتلی سی لکیر

جس طرح نیند بھری چشم افق کھُلنے کو ہو

ماہ تک آج ہے محدُود ضیائے مہتاب

چاندنی رہ گئی ساگر پہ پھیل کر کچھ دُور

آج طوفان اُٹھانا نہ ہو جیسے منظور

حسُن معدوم سا ہے اور نظر آوارہ

رہ گیا بن کے جھلک اپنی ہر اک نظّارہ

آپ ہی اپنی ہے پرچھائیں یہ رنگِ فطرت

سایہ سایہ نظر آتی ہے چٹانوں کی قطار

کہیں پانی ہی میں گھُل مل سا گیا ہے ساحل

نیلے آکاش کے نیچے ہے سمندر نیلا
چاند تاروں کا عجب رنگ پڑا ہے پیلا
ایک سرخی سی ہے اس پوری فضا پر رقصاں
کیا عجب روشنیٔ صبح ازل ایسی ہو
آنکھ کے سامنے فطرت کا عجب منظر ہے
جس طرح ہل گئی ہو اپنی جگہ سے ہر شے
جس طرح وسعتیں آپس میں سماتی جائیں
اور اگر کھلنے لگیں تو نظر آتی جائیں
اتنی رنگین نہیں آج کی تاروں بھری رات
عالم خوف بھی ہے عالم حیرت ہی کے ساتھ
کوئی ملاح نہ ملاح کا نغمہ ہے کہیں

کہیں ساحل پہ شکستہ کوئی کشتی بھی نہیں

محوِ پرواز نہیں کچھ بھی بجُز طائرِ فکر

فکر آمیز فضا میں خنک و سرد ہوا

ایسے رگ رگ میں اثر کرتی چلی جاتی ہے

رینگتے رینگتے تاریک فضا میں جیسے

اژدہا پاؤں سے ناگاہ لپٹنے لگ جائے

کتنا بیگانہ و تنہا ہے یہ سارا عالم

رہ گیا کتنا سمٹ کر یہ جہانِ مبہم

آشنا ہو گئے ہیں کان اُس آواز سے بھی

آ رہی ہے جو مسلسل کہیں گہرائی سے

جیسے پھُوٹ آئی ہو سنّاٹے کی پہنائی سے

جس طرح بیچ سمندر کے زمیں پھٹتی ہو

جیسے آفاق کے محور سے زمیں ہٹتی ہو
جیسے پاتال نے مُنھ کھول دیا ہو اپنا
بے ستوں عرش کسی طرح لُڑھک اُٹھا ہو
جس طرح رُوحیں جہنّم سے نکل بھاگی ہوں
وَا ہُوا ہو درِ فردوس گنہگاروں پر
زیرِ تکمیل ہو جس طرح جہانِ تخلیق
قطرے قطرے میں عمل جاری ہو یکجائی کا
پہلی آواز نے توڑا ہو سکوتِ ازلی
یا سمندر کو بتانا ہو یہ رازِ قدرت
ہے جہنم کی جو پُرہول صدائے ابدی
ایک بے جان بھنک اُسکی ہوں میں اے شاعر
دیکھنا ہے جو مرا چین تو گہرائی میں آ

چشمِ حیرت نے جہاں تک بھی جدھر بھی دیکھا
ایک ادا ایک ہی انداز میں اِک پہلو سے
محض پارے کی طرح کانپ رہا تھا ساگر
جیسے تخلیق کی قوت کا اُبلتا ہو جلال
بیکراں کرب ہم آہنگ ہُوا ہو جیسے
جیسے احساسِ دوئی کا نہ رہا ہو امکاں
جیسے کچھ دیر میں ہو جائے گا بس چین ہی چین
کہ اچانک کہیں گہرائی سے اِک موج اُٹھی
بیکراں سطح پہ کچھ دیر تماشہ سا رہا
اپنی یکتائی کا احساس جتا یا کچھ دیر

پھر وہیں ڈوب گئی اور وہ جل تھل ساگر
جس طرح پہلے تھرکتا تھا تھرکتا ہی رہا
کوئی بیگانہ روی تھی نہ کوئی یکتائی
جیسے دم توڑ کے رہ جائے یہاں تنہائی

رُوح کو کرب ہے آزار ہے دُکھ سا دکھ ہے
کس طرح جستجوئے دل میں ہم آہنگی ہو
ابھی تو فکر سے ہے فکر کی آواز جدا
وجہ آزار سے ہے کرب کا انداز جدا
دل کی منزل تو ہے کچھ اور تجسس کچھ اور
اور بکھرے ہوئے شیرازے کے اجزائے یہ طور

آنکھ کہتی ہے کہ نظروں پہ کوئی پہرہ ہے
عقل کہتی ہے کہ تو کور ہے بے بہرہ ہے

آسماں ہوگا عیاں کیا وہ چھپائے گا کیا
نقطہ سا بن کے کسی جا وہ سمائے گا کیا

وجد میں آکے کبھی تو جو سراپا ہو جائے
جانے پھر کیا ترِی منزل ہو تو خود کیا ہو جائے

آنکھ حیراں کہ کہاں جائے کدھر آئی ہے
عقل خوش ہے حدِ آفاق نظر آئی ہے

ازلی درد سے یوں چشمِ تجسس ہے دوچار
مبتلا یوں غم و ہیجاں میں ہے روحِ فنکار

ماورا ہوں میں زماں اور مکاں سے کہ نہیں
کیا میں آزاد ہوں اقدارِ زماں سے کہ نہیں

لامکانی نگۂ دل کو نظر آئی ہے

زندگی میں کوئی تنہائی سی تنہائی ہے

میں ہوں فن کار تو بیگانۂ تنہا کیوں ہوں

قطرۂ بحرِ ادب ہوں تو میں تشنہ کیوں ہوں

کیوں الگ سب سے مری فکر کو انداز ملا

عمرِ رفتہ مری آواز سے آواز ملا

مجھ میں ماحول میں یہ فرق کہاں پر آیا

کیوں مرا سوزِ نہاں میری زباں پر آیا

نالے نے پائی ہے تاثیر سی خوبی کیسے

میری آواز غم و درد میں ڈوبی کیسے

غم سے لبریز جو یوں روح کا پیمانہ ہے

کون اک دوسرے کے درد سے بیگانہ ہے

تاثرات

زہے سلوکِ زمانہ زہے شعور وانا
زیادہ کیا ہیں مگر سرد مہر ہم بھی ہیں

●

تلخ جنوں تھا بجز آگہی خام کیا
شوق دِکھاتا ہے اب دیکھ بہر گام کیا

●

کُشتگانِ اُلفت کی مرگ و زندگی کیا ہے
موت پر یہ ہنستے ہیں زیست ان پہ ہنستی ہے

تُو نے اب آکر کیا اظہارِ ترکِ دوستی
دوست ہم تو ابتدا ہی سے بہت مایوس تھے

●

ظرف پر جو ناز تھے مٹنے لگے
اپنی تنہائی پہ جی رونے لگا

●

اِس دُکھی دِل کو نہ منظور ہوا تیرا فراق
زندگی کو غمِ تجدیدِ تعلق ہی دیا

●

ہم آج تجھے قریب پا کر
کس درجہ اُداس ہو گئے ہیں

●

فاصلے بڑھ گئے اتنے، نہ رہا ہجر گراں
ہوش نے بڑھ کے محبّت کا گماں توڑ دیا

جہاں کی رونقوں میں یوں نہ کھو جایا کرو اے تلخ
اگر غم جاگ اٹھے گا مدتوں تک خون روؤ گے

●

دوستی کا کوئی فریب ہی دے   اس قدر زندگی میں تنہا

●

اب مری زندگی میں ملتا ہے   کچھ اثر تیری بدگما

●

پر جل گئے تھے گرمیٔ رفتار ہی سے تلخ
بس خاک ہو کے گر گئے پھر لامکاں سے ہم

●

وہ تو لوگوں ہی نے سمجھا مجھے وحشی، ورنہ
میں نے دنیا کو تماشہ ہی بنا ڈالا تھا

●

خاک کر دی ہیں سب کی امیدیں   تلخ سے انتقام لیں سب

بتا کہ تیرے سوا کس سے دل کی بات کہیں
کریوں تو عشق کو دُکھ سُکھ زمانے بھر نے دیئے

●

ہم نے اندازِ جہاں دیکھا ہے — آج سی پہلے تھی افتاد کہا

●

مجھے نہ چھوڑ محبت کوئی گناہ نہیں — تری نظر مرے غم تک گئی نہیں ہ

●

پھر وہی حُسن کی حکومت ہے — عشق کا دور بھی کوئی دیکھ

●

ہمیں نے سب سے بڑی زندگی گزاری ہے
ابھی ہمیں تھے نشیب و فراز بھی معلوم

●

یہ کس کا ذکر ہوا ہے کہ تیغ چونکا ہے
ذرا دوبارہ کہو اِس کا راز بھی معلوم